اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

بفیضان

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد

امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا

وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی مدظلہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی

جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
امام الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی

جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی......مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی......جناب اشتیاق احمد
مولانا ندیم الرشید...... مولانا احمد طاہر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مدیر مسئول: احسن خدامی

فی شمارہ 20......زر سالانہ 240 روپے

فہرست

ناشر:......**مجلس تحفظ حدیث و فقہ بہاولپور**
0301-7790908 0334-4612774

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

سنی مؤقف

عقائد وافکار کی اصلاح کے لیے چند راہ نما اصول

(......قسط نمبر 2......)

الجماعۃ!

''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے امتیازی مذہبی نام میں ''السنۃ'' سے مراد ''سنت رسول'' اور ''الجماعۃ'' سے مراد ''جماعتِ رسول'' ہے۔ لہٰذا ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے مراد وہ مسلمان ہیں جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ''سنت جامعہ'' سے اپنے قلبی اور ایمانی تعلق کے اعلان کے ساتھ حضور کی ''جماعتِ مقدسہ'' سے بھی اپنی قلبی اور روحانی نسبت کا اظہار و اقرار کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید' دین حق' شریعتِ اسلامیہ' معجزاتِ محمدیہ' کمالاتِ نبویہ اور ''سنتِ جامعہ'' کے مابعد کی امت تک پہنچنے کا قطعی واسطہ مومنین کاملین کی وہی عظیم جماعت ہے جس کو بلا واسطہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے کا خصوصی شرف حاصل ہوا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ ''جماعتِ رسول'' کو صحبت نبوی سے علم وعمل کا کمال نصیب ہوا ہے بلکہ ''انوارِ نبوت'' کے پَر تو سے ان کے قلوب وارواح کو وہ نورانیت ملی ہے جو بعد کے ان اہل ایمان وتقوی کو نصیب نہیں ہوسکتی جن کو بلا واسطہ زیارت وصحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقعہ نہیں مل سکا۔ ''جماعتِ رسول'' کے تمام افراد (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ''رسالتِ محمدیہ'' کے چشم دید گواہ ہیں۔ مومنین کاملین کی یہی وہ جنتی جماعت ہے جن کو رب العلمین نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت عالم اسباب میں رسول اللہ کے ساتھ غلبۂ دین کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لئے ''سنتِ رسول'' کی نسبت کے اظہار کے بعد ''جماعتِ رسول'' کی نسبت کا اظہار بھی ضروری ہے تا کہ اس ''دینِ کامل'' اور ''راہِ جنت'' کی پوری پوری نشاندہی ہوجائے جو مابعد کی امت کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جنتی جماعت کے واسطہ سے ملا ہے۔

دینِ اسلام!

چونکہ انسان اپنے حواس' اپنی عقل اور اپنے تجربے کے ذریعے نفع ونقصان' خیر وشر اور ان کے عواقب ونتائج کا پوری طرح ادراک نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ اپنے خالق ومالک کی رضا اور عدمِ رضا کو معلوم کرسکتا ہے۔ اس لیے رب العلمین نے انسان کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وہدایت کیلئے انبیائے کرام علیہم

السلام کے واسطہ سے اپنا دین عطافرمایا ہے۔جس کا نام ''اسلام ہے''۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادفرمایا:

۱ ...... اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ. (پارہ ۳۔سورۃ آل عمران، رکوع ۲، آیات ۱۹)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف ''اسلام'' ہے۔

۲ ...... وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الاِسْلَامِ دِیناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (سورۃ آل عمران۔رکوع ۹، آیت ۸۵)

ترجمہ: اور جو شخص ''اسلام'' کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

''اسلام'' کا معنی ہے احکامِ خداوندی کے سامنے جھک جانا' فرمانبرداری کرنا' اور'' دین'' کا لغوی معنی: جزا' بدلہ اور حساب ہے۔شرعاً ''دینِ اسلام'' اس نظام حیات کو کہتے ہیں جو رب العلمین نے انسان کی ہدایت وفلاح کیلئے متعین فرمایا ہے جس پر اس دنیا (دارالعمل) میں انسان اپنی فانی حیات میں عمل کرتا ہے اور جس کا پورا پورا بدلہ موت کے بعد آخرت میں ملے گا اسی لیے قیامت کے بعد کے جہان کو ''یوم الدین'' کہا جاتا ہے۔اور'' دین'' کا معنی عادت اور اطاعت وعبادت بھی ہے۔لہذا ''دین'' سے مراد عبادت واطاعت کا وہ طریقہ ہے جس کی تعلیم اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو دی ہے تاکہ اس کے مطابق صالح زندگی گزار کر اپنے رب کی رضا حاصل کرسکیں۔

اصول اسلام!

''اسلام'' تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مشترکہ دین ہے جس کی دعوت اپنی اپنی امت کو ہر پیغمبر علیہ السلام نے دی ہے۔اسلام کے اولین قطعی اصول تین ہیں۔

۱......توحید

۲......رسالت

۳......قیامت

ان تین اصولوں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم اور کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ان ''اُصولِ ثلثہ'' میں سے اگر کسی ایک کا بھی انکار کیا جائے تو ''کفر'' لازم آتا ہے۔تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ان تین اصولوں کی اپنے اپنے دورِ نبوت میں تبلیغ فرمائی ہے۔تمام آسمانی کتابوں میں ان کی تصریح وتفصیل پائی جاتی ہے۔اور خالقِ کائنات کی آخری کامل وجامع کتاب (قرآن مجید) میں انہی ''اصول ثلثہ'' کی جابجا تشریح وتبیین فرمائی گئی

ہے۔''اسلام'' کے باقی تمام عقائد واحکام کا مبنیٰ یہی تین ''اصولِ دین'' ہیں۔

۱......توحید:

''اسلام'' کا اصل الاصول ''عقیدہ توحید'' ہے۔''توحید'' کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات اللہ جل شانہ ایک ہے اور اس کی ذات' اس کی صفات اور اس کے مستحق عبادت ہونے میں اور کوئی بھی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے۔خالق کائنات وہی ہے باقی سب اس کی مخلوق ہے۔موت و حیات (مخلوق کی) صرف اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔مخلوق کے نفع ونقصان کا حقیقی مالک صرف وہی ہے۔وہ ''علی کل شیء قدیر'' ہے یعنی جو چاہے کرسکتا ہے۔اس کے سوا اور کوئی ایسی قدرت نہیں رکھتا کہ جو چاہے کرسکے۔بلکہ مخلوق کا چاہنا اور کرنا بھی اس کی مشیت پر موقوف ہے وہ'' بکل شیء علیم'' کی شان رکھتا ہے یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک (ازلی اور ابدی) ہر چیز کا ہر وقت یکساں علم رکھتا ہے اور وہ نسیان اور بھول چوک سے بھی پاک ہے لیکن اللہ کے سوا اور کوئی بھی ایسا علم نہیں رکھتا، وہ ہر بات کو ہر وقت سننے والا ہے۔اس کے سوا اور کسی میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔وہ مافوق الاسباب مخلوق کی مصیبتیں دور کرنے والا ہے، سب کی حاجتیں اور مرادیں پوری کرنے والا ہے۔اس کے سوا اور کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اسباب کا محتاج نہ ہو اور بلا اذن الٰہی اور بلا اسباب مخلوق کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرسکے۔جب قادر مطلق اور علیم وخبیر (ہر چیز کو ہمیشہ یکساں جاننے والا اور ہر بات کو ہر وقت سننے والا اور اپنے ارادہ کے مطابق ہر کام کرنے والا) صرف وہی ہے تو اس کے سوا اور کوئی بھی معبود (مستحق عبادت) نہیں ہوسکتا۔سب قولی' فعلی اور مالی عبادتیں صرف اسی کیلئے ہیں وہ قادر مطلق اور ہر طرح علیم وخبیر ہونے کی بناء پر کسی کا بھی محتاج نہیں ہے نہ اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ کوئی مشیر اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔دکھ' سکھ اور عزت و ذلت سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے باوجود اتنی قدرت رکھنے کے اس کے سارے کام اس کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔بہرصورت ''عقیدہ توحید'' کو ماننے سے ''ایمان'' حاصل ہوتا ہے اور اس کے انکار سے ''شرک'' و''کفر'' لازم آتا ہے اور شریعت میں ''شرک'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کی عبادت میں کسی اور کو بھی شریک کیا جائے۔''عقیدہ توحید'' کے اقرار واثبات کیلئے اسلام کا جامع کلمہ **لا الہ الا اللہ** ہے یعنی اللہ کے سوا اور کوئی بھی معبود (لائقِ عبادت) نہیں ہے۔اور چونکہ یہ ''کلمہ توحید'' اس آخری امت کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملا ہے اس لئے ''کلمۂ اسلام'' میں ''توحید'' و''رسالت'' دونوں کا اقرار کیا جاتا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود (مستحقِ عبادت) نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں)۔

اصلی ''کلمہ اسلام''!

اصلی ''کلمہ اسلام'' و ''ایمان'' صرف لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی ''توحید'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''رسالت'' کا اقرار کیا جاتا ہے اور رسول امین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے تیس سالہ دورِ رسالت میں کفار کو داخلِ اسلام کرتے وقت صرف ''توحید و رسالت'' کا ہی اقرار کرایا ہے یہی ''کلمہ اسلام'' ہے اور یہی ''کلمہ ایمان''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے بھی سوائے ''توحید و رسالت'' کی شہادت کے ''کلمہ اسلام'' میں اور کسی شخصیت کا اقرار نہیں لیا۔ اور ''توحید و رسالت'' پر مشتمل یہی وہ ''کلمہ اسلام'' ہے جس پر تمام ملت اسلامیہ کا ''اجماع'' ہے۔ خلفائے راشدین امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تیس سالہ دورِ خلافت راشدہ میں متفقہ طور پر یہی ''اصلی کلمہ اسلام'' تھا جس میں سوائے اللہ کی ''توحید'' اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''رسالت'' کے اقرار کے اور کسی نبی و رسول اور خلیفہ و امام کے اقرار کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ اس لئے بطورِ ''کلمہ اسلام و ایمان'' کے اس میں کمی بیشی کرنا یعنی ''توحید و رسالت'' میں سے کسی کا انکار کرنا یا ''توحید و رسالت'' کی شہادت کے علاوہ اور کسی خلیفہ و امام یا ولی مجدد کی خلافت و امامت یا ولایت و مجددیت کی شہادت کو از روئے عقیدہ ضروری قرار دینا ''کفر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ''اصلی'' اور ''اجماعی کلمہ اسلام'' پر قائم دائم رکھے۔ آمین (جاری ہے۔۔۔۔)

ختم نبوت زندہ باد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اصلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ یا اللہ مدد خلافت راشدہ حق چار یار رضی اللہ عنہم

ہمیں نہیں ہے شوقِ بادشاہی، یہ نسبتیں ہی فخر ہیں اپنا
غلامِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم، غلامِ حنفی رح، غلامِ مدنی رح، غلامِ مظہر رح

بجھ کر بھی کب بجھا ہے چراغ اس کی زیست کا
اب بھی دل میں ہے روشنی مظہر حسین رح کی

زیرِ شفقت
وارث مسند مدنی، باغبان گلشن مظہری بقیۃ السلف
حضرۃ مولانا شیخ الحدیث حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

فیضانِ چراغ محمد، تحریک خدام اہل سنت کے مشن و ''افکارِ مظہری'' کا علمبردار
برکات مظہریہ تجارتی مرکز
خاکروب آستانۂ مظہری: خادم اہل سنت نثار معاویہ ......سبزی منڈی چکوال 0313-5228313

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

مودودی مذہب

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے خودساختہ گمراہ کن نظریات کا تحقیقی جائزہ

(......قسط نمبر 2......)

انبیاء کرام کی تنقیص مودودی صاحب کے قلم سے

(۱) انبیاء اپنی کوشش سے خدا کو پہچانتے ہیں

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

’’اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وحی کے ذریعہ سے حقیقت کا براہ راست علم پانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام مشاہدے اور غور فکر کی فطری قابلیتوں کو صحیح طریقہ پر استعمال کر کے (جسے اوپر کی آیات میں بینہ من الرب سے تعبیر کیا ہے) توحید و معاد کی حقیقتوں تک پہنچتے تھے، اور ان کی یہ رسائی وہبی نہیں کسبی ہوتی تھی۔‘‘ [رسائل ومسائل، حصہ اول، ص:۲۹، طبع دوم۔]

تبصرہ......

یہاں مودودی صاحب نے منصب نبوت کے خلاف بہت غلط عقیدہ لکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کو جس طرح نبوت محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وہبی نعمت ملتی ہے اس میں ان کو اپنی کوشش اور محنت کی حاجت نہیں ہوتی، اسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ فطرتاً اپنی توحید پر یقین واذعان عطا فرما دیتے ہیں وہ پیدائشاً اور فطرتاً موحد و مومن ہوتے ہیں۔ البتہ وحی سے شریعت کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں، جیسا کہ فرمایا: ’’**اجتبیناہ وھدیناہ الیٰ صراط مستقیم** ۔[الانعام]، رکوع:۱۰، ‘‘یعنی ہم نے ان انبیاء کو خود ہی چنا اور خود ہی ہم نے ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی اور یہ ظاہر ہے کہ صراط مستقیم کی بنیاد عقیدہ باری تعالیٰ ہی ہے۔‘‘

(۲) انبیاء کے نفس شریر ہوتے ہیں

’’اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی راہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے کہ **لاتتبع الھوی فیضلک عن**

سبیل اللہ،سورۃ ص، ع:۲] ''ھوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔''

[تفھیمات، ج:۱، ص:۱۶۱، طبع پنجم۔]

تبصرہ......

انبیاء کرام کے پاک نفسوں کو شریر سمجھنا انتہائی درجہ کی گستاخی ہے، پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، ان کے نفوس شر و خباثت سے پاک ہوتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کے نفسوں کو بھی پاک کرنے آتے ہیں، ''**ویزکیھم**'' اگر انبیاء سے کوئی لغزش ہوتی ہے تو اس کا منشا بھی رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے نہ کہ شرارت نفس۔ آیت بالا کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے **لاتکونن من الممترین**۔ (آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں) تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین و وحی میں شک کرنے والے تھے؟ نعوذ باللہ!

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا

نبی ہونے سے پہلے تو کسی نبی کو وہ عصمت حاصل نہیں ہوتی جو نبی ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ نبی ہونے سے پہلے تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا۔ کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ جب فرعون نے ان کو اس فعل پر ملامت کی تو انہوں نے بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کیا کہ **فعلتھا اذا وانا من الضالین**(الشعراء، ع:۲) ''یعنی یہ فعل مجھ سے اس وقت سرزد ہوا جب راہِ ہدایت مجھ پر نہ کھلی تھی۔'' [رسائل ومسائل، ج:، ص:۳۱۔ مطبوعہ بار دوم، ۱۹۵۴ء......ترجمان القرآن، مئی جون جولائی تا اکتوبر ۱۹۴۴ء]

تبصرہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے کہ ان سے بہت بڑا گناہ ہوا تھا۔ اگر بہت بڑا گناہ انبیاء سے ہو جائے تو وہ معصوم کیسے مانے جا سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فرعون کی قوم کا ایک آدمی ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا، مظلوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی، آپ نے اس فرعونی کو صرف ایک مکہ مارا اور اس کی وہیں جان نکل گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا، آپ نے تو چھڑانے کے لیے صرف ایک مکہ مارا تھا، اور کسی مظلوم کی حمایت میں ایک ظالم کافر کو مکہ مارنا کسی قانون میں سرے سے گناہ ہی نہیں، اس کام کو بہت بڑا گناہ کہنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی عصمت پر بہت بڑا حملہ ہے۔ آیت میں وانا من الضالین کے الفاظ سے بہت بڑا گناہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ جبکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ضال کا لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ **ووجدک ضالا فھدی**۔ تو کیا مودودی صاحب امام الانبیاء

کو بھی اس لفظ کی وجہ سے نعوذ باللہ بڑا گناہ گار کہہ دیں گے؟ (حقیقت یہ ہے کہ) بھول چوک پر بھی عربی زبان میں ضلالت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔(اور آیت میں یہی مراد ہے۔)

(۴) آیۃ **عجلت الیک رب لترضیٰ** کے تحت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے

(الف) ''اس کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی طرح مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل جائے۔''

[رسالہ ترجمان القرآن، ج۲۹، عدد۴، ص۵، ستمبر۱۹۴۶، اشارات از امین احسن اصلاحی۔]

(ب) ''اس کی (یعنی قوم کی) ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت پسندی پر ڈالی۔'' [ایضاً ترجمان القرآن ودعوت دین اوراس کا طریقۂ کار، از: اصلاحی، ص۱۱۳]

تبصرہ:

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک جلد باز اور غیر مدبر فاتح ظاہر کر کے ایک اولوالعزم پیغمبر کی سخت توہین کی گئی ہے۔ یہ مضمون اشارات رسالہ ترجمان القرآن میں مودودی صاحب کی ترتیب وتالیف کے تحت بلاتنقید وجرح شائع ہوا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا بھی یہی نظریہ ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کی تنقیص

''مگر اس کی اصلیت صرف اس قدر تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔''

[تفہیمات، حصہ دوم، ص۴۲ طبع دوم]

تبصرہ

اس میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی تنقیص پائی جاتی ہے، کیونکہ پیغمبر کسی غلط سوسائٹی سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ تو دوسروں پر اثر انداز ہونے اور سوسائٹیاں بدلنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور انبیاء کا ہر عمل نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ البتہ ان کے بلند وبرتر مقام کے پیش نظر اللہ تعالیٰ معمولی بھول چوک پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں۔ حسنات الابرار سیات المقربین۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ

بے ادبی سے بچیں

الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمهٗ البیان وفضلهٗ بالعلم والعمل علیٰ جمیع العالم،والصلوٰة والسلام علیٰ محمد سیدالعرب والعجم وعلیٰ اٰلهٖ واصحابه ینابیع العلوم والحکم امابعد

اس وقت طلباء کرام اکثر و بیشتر باوجود جد وجہد وسعیٔ بلیغ کے یا تو تکمیل علم سے محروم رہتے ہیں یا علم کے فوائد وثمرات سے بے نصیب ہو جاتے ہیں، نہ دین کے رہتے ہیں نہ دنیا کے،بعض تو دنیاداروں کی کاسہ لیسی و چاپلوسی سے پیٹ بھرتے ہیں اور بعض غلط روایات موضوع اخبار، بے سند احادیث،مؤول معانی قرآن ،اشعار دلربا،تصوف کے مقامات اور من گھڑت کرامات کے بیان سے عوام الناس کو خوش کر کے عزت وجاہ اور مال و دولت حاصل کرتے ہیں اور بعض تعویذ دہی سے پیر و مرشدِ خلق ہو جاتے ہیں اور بعض راگ باجا وجد اور رقص کا جذبہ دکھا کے خداع ومکر (دھوکا وفریب) کر کے وجاہت پاتے ہیں لیکن قرآن وحدیث اور علمِ فقہ واصولِ فقہ کو بالائے طاق رکھ کر عمل واخلاق سے محروم ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو قواعد وضوابط ،شرائط وارکان اور واجبات کی رعایت سے حاصل نہ کیا جائے،اس کے نتائج وثمراتِ صحیحہ سے اکثر محرومی ہی حاصل ہوتی ہے،اس لیے کتبِ معتبرہ ومسموعاتِ اساتذہ کرام سے تعلیم وتعلم کے آداب سے متعلق چند معروضات طلباء کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔قارئین کو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچالے اور اپنی رحمت وفضل سے دنیوی واخروی فوائد سے نوازدے۔لاحول و لا قوة الا بالله العلی العظیم

﴿۱﴾......متعلم اور معلم ہر دو کو نیت کی درستی کی سخت ضرورت ہے۔حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے انما الاعمال بالنیات (ترجمہ) (نیک) اعمال کی درستی (یعنی ثواب ومقبولیت) کا مدار نیت پر ہے۔بہت سے اعمال جن کی ظاہری صورت دنیاوی کاموں جیسی ہوتی ہے جیسے کھانا پینا مگر اچھی نیت کے باعث وہ اعمالِ آخرت میں شمار ہوتے ہیں، جیسے کہ کھانے پینے میں نیت کرے کہ قوت حاصل ہو۔اور بہت سے کام جن کی صورت ظاہری اعمالِ آخرت کی ہوتی ہے مثلاً حج ونماز اگر ان میں فسادِ نیت ہو مثلاً ریاء وشہرت تو آخرت میں یہ عبادات ناکارہ بلکہ وبالِ جان بن جائیں گے۔پڑھنے پڑھانے والے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء، ذخیرۂ آخرت یا جہل کے دفع کے لیے یا بقائے اسلام ودین کے لیے پڑھ یا پڑھا رہا ہو۔

﴿۲﴾......طالب علم کو چاہیے کہ طمع وسوال سے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے،خود پسندی اور کبر وضد سے بچے اپنے آپ کو متواضع رکھے۔

﴿۳﴾......اساتذہ کرام کی خدمت جان ومال سے کرے۔خدمت وادب سے ہرگز ہرگز تنگ دل نہ ہو۔ساتھیوں کا

بھی ادب کرے کتاب کا بھی ادب ہو۔

﴿۴﴾......حتیٰ الوسع قبلہ رخ بیٹھنے کی عادت بنائے۔

﴿۵﴾......اہل اللہ کی صحبت رکھے اس سے علم راسخ وکامل ہوتا ہے۔

﴿۶﴾......طالب علم اپنی عقل وفراست پر پورا اعتماد نہ کرے بلکہ اساتذہ کے مشورہ کو مقدم رکھے۔

﴿۷﴾......ایسے شخص کو استاد بنائے جو بڑا عالم، پرہیز گار، حرام اور شبہ حرام سے بچنے والا تجربہ کار، ماہر فن ہو۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ نے حماد بن سلیمانؒ کو اختیار کیا۔

﴿۸﴾...... ہر کام مشورہ سے کرے۔ حضور اکرم ﷺ ہر دانش مند سے بڑھ کر دانش مند تھے۔ لیکن ان کو بھی مشورہ کرنے کا حکم ہوا جیسے قرآن کریم میں ہے وشاور هم فی الامر (آلِ عمران ۱۵۹)

﴿۹﴾......نیز ایک جگہ جہاں تعلیم اچھی ہو رہی ہو تو بلا وجہ ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ جائے بلکہ استاد کامل کی خدمت میں ثابت قدم رہے، ہر سال مدرسہ بدلنے میں وقت اور عمر ضائع ہوتی ہے۔

﴿۱۰﴾......خواہشات نفسانی، لذتِ طبعی، سیرِ بازار، لہو وآوارگی اور استاد کی بے ادبی جو کہ سمِ قاتل ہے ان سے بچے۔ بے ادب نہ دنیا کا رہتا ہے نہ دین کا۔ خصوصاً اس زمانہ میں موبائل تو تعلیمی زمانہ میں بالکل نہ رکھے۔

﴿۱۱﴾......طالب علم پر واجب ہے کہ اپنے حجرہ یا سبق کا ساتھی ایسے آدمی کو رکھے جو نہایت محنتی، دیندار ہو بے دین بدمزاج کاہل بے ادب واہی تباہی بکنے والے ساتھی سے بچے۔

﴿۱۲﴾......جیسے کہ پہلے ذکر آ گیا ہے کہ استاد کی بے ادبی سم قاتل ہے اس سے بچتے ہوئے استاذ کی عزت کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے فرمایا میں غلام ہوں اس شخص کا جس سے میں نے ایک حرف سیکھا وہ اگر چاہے تو مجھے بیچ دے اور اگر چاہے تو آزاد کر دے۔

من جملہ توقیر معلم کے یہ بھی ہے کہ اس کے آگے نہ چلے اس کے مصلیٰ ومقام پہ نہ بیٹھے، اس کے سامنے ابداء بالکلام نہ کرے، بات پوچھنے کے لیے وقت کا انتظار کرے۔ استاد کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے بلکہ صبر کرے تا کہ وہ گھر سے خود تشریف لائیں۔ اگر شریعت کے خلاف فرمان نہیں ہے تو اس کے فرمان کی تکمیل کرے۔

ایک عجیب واقعہ

اہلِ علم وتقویٰ مشائخ اور دینی مقتداء کا ادب انتہائی لازمی ہے۔ ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا دنیا میں آفتاب طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر وافضل ہو۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اپنے استاد اور مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (معارف القرآن الحجرات)

﴿۱۳﴾......من جملہ استاد کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اسکی اولاد ومتعلقین کی عزت کرے اور ان کی مال وجان

سے خدمت کرے۔ حضرت برہان الدین صاحب ہدایہؒ کبھی تدریس کے درمیان کھڑے ہو جاتے آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد کے دروازے تک آ جاتا ہے اسکی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔

امام الائمہ قاضی فخر الدین ارسابندیؒ جو کہ مرو میں رہتے تھے بادشاہ وقت آپ کی نہایت عزت کرتا تھا قاضی امام فخر الدین کہتے تھے کہ میں نے یہ عزت استاد کی خدمت سے پائی ہے۔ وہ اس طرح کہ میں نے استاد امام ابو یزید دبوسیؒ کی تیس سال روٹی پکائی ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھاتا تھا اور جس نے استاد کو تکلیف پہنچائی وہ علم کی برکت سے محروم رہیگا۔

﴿۱۴﴾......من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ طالب علم کتاب کی عزت کرے کتاب کو زمین پر نہ رکھے اس پر ٹیک نہ لگائے کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور کتاب پر کوئی چیز نہ رکھے حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ صدر و مہتمم دارالعلوم کبیر والا تو سختی سے طلباء کو تنبیہ فرماتے تھے کہ عام سفید کاغذ جو راستہ پر گرے پڑے ہوتے ہیں اس پر بھی قدم نہ رکھیں کہ یہی کاغذ ہمارے حصولِ علم کا ذریعہ ہے اس کا ادب کرنا بھی لازمی ہے۔

﴿۱۵﴾......اخلاقِ ذمیمہ سے بچے کیونکہ اخلاقِ ذمیمہ معنوی کتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا صورت (تصویر) ہو۔ اور انسان فرشتے کے واسطے سے سیکھتا ہے جب اس میں برے اخلاق ہوں گے تو گویا اس کے دم میں کتے موجود ہیں اس کے پاس فرشتہ کیسے آئے گا؟ (ملخصاً از معارف بہلویہ ج ۲)

﴿۱۶﴾......بے ادبی جس میں اکثر اہلِ علم اور جاہل مبتلاء ہیں وہ اخباری کاغذ کا استعمال ہے۔ اخباروں میں دینی مضامین ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی تحریر ہوتے ہیں ہر شخص عالم جاہل سب بے ادبی میں مبتلاء ہیں ڈرائیور گاڑی کا شیشہ صاف کر رہا ہے دوکاندار پڑیاں بنا رہا ہے ہوٹل والے روٹیاں اور دیگر اشیاء لپیٹ کر دے رہے ہیں، پھر وہ کاغذ اور اخبار سڑکوں اور راستوں پر پڑے ہوتے ہیں گندی نالیوں میں پڑے ہوتے ہیں اور ان پر پاؤں رکھ کے گذر رہے ہیں کسی کو احساس تک نہیں کہ تم سے کتنا گناہ سرزد ہو رہا ہے اور اجتماعی گناہ ہے جو پوری قوم سے سرزد ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گناہ سے بچائے۔ آمین

ادب کا انعام:

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا ایک واقعہ جو کسی کتاب میں پڑھا تھا جو کہ فارسی میں تھی اس کتاب کی تلاش کی نہیں مل سکی لیکن جو واقعہ تھا وہ کچھ نہ کچھ ذہن میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ اپنے تقاضا کے لیے حمام کی طرف گیے وہاں دیکھا کہ پیالہ ٹوٹا ہوا پڑا تھا اس پر لفظ اللہ کا کندہ کیا ہوا تھا۔ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے اس پیالہ کو اٹھایا اور باہر آ کر صاف ستھرا کیا اور پاک صاف کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور اس سے پانی پیتے رہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے اس ادب کرنے پر اتنے درجات کی ترقی نصیب ہوئی جو مراقبہ جات اور ذکر اذکار سے بھی نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو باادب بنائے۔ آمین

مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ

قبر میں اعادۂ روح

برادرانِ اسلام!

علماء اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ جب مردہ انسان قبر میں دفن کیا جاتا ہے......اور جو مردہ قبر میں باقاعدہ دفن نہ کیا جائے تو جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں......اسکے پاس دو فرشتے نکیرین آتے ہیں اور ہر مردے سے تین سوال کیے جاتے ہیں [۱] تیرا رب کون ہے؟ [۲] تیرا نبی کون ہے؟ [۳] تیرا دین کیا ہے؟ تو قبر کے ان سوالات کے وقت مردہ انسان کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے اور اس اعادہ کی کنہہ (حقیقت) اور کیفیت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ انسانوں سے قبر کی یہ کارروائی مستور رکھی جاتی ہے۔ اسی لیے قبر کی کارروائی کو برزخ کی کارروائی بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ عامۃ الناس کی نظروں سے پس پردہ رکھی جاتی ہے۔ یہ اعادۂ روح قرآن کریم سے اشارۃً اور احادیث متواترہ سے صراحۃً ثابت ہے۔

حضرت براء بن عازب کی ایک طویل حدیث میں جو کہ ابوداؤد طیالسی، مشکوٰۃ شریف، تفسیر ابن کثیر، تحریرات حدیث، کتاب الزہد والرقاق لابن مبارک، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد سجستانی، تفسیر ابن جریر، مسند احمد، مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں ''وتعاد روحه فی جسده'' اور ابوداؤد طیالسی کے الفاظ یہ ہیں ''فیرد الی الارض تعاد روحه فی جسده' اعادۂ روح کی اس حدیث کو محدثین کے جم غفیر نے صحیح کہا ہے اور متواتر قرار دیا ہے۔ مثلاً امام حاکم، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ نورالدین الھیثمی، مولانا سید احمد حسن، امام بیہقی، علامہ منذری، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام قرطبی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ علی بن عبدالکافی السبکی، مولانا عبدالعزیز پرہاروی، وغیرہم رحمہم اللہ نے اس حدیث کی تصحیح اور توثیق کی ہے۔ اور علماء اسلام نے اس حدیث کو عذاب قبر کے سلسلے میں اہل سنت کا مستدل قرار دیا ہے۔ چنانچہ

۱......امام الائمہ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''واعادة الروح الی العبد فی قبره حقٌ'' ترجمہ: قبر میں بندے کی طرف اعادہ روح حق ہے۔ [الفقه الاکبر مع شرح ملا علی قاری، ص:۱۰۰]

۲......امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

''الاحادیث المتواترة علی عود الروح الی البدن وقت السوال'' [شرح الصدور، ص:٦٢]

ترجمہ: احادیث متواترہ اس پر ناطق ہیں کہ نکیرین کے سوالات کے وقت بدن کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

۳......امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:
”قال شیخ الاسلام،الاحادیث الصحیحة متواترة تدل علی(اعادة) روح الی البدن وقت السوال“[کتاب الروح،ص:۲۷]
ترجمہ: شیخ الاسلام کہتے ہیں: احادیث صحیحہ متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ نکیرین کے سوالات کے وقت بدن کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے۔
اور ایک مقام پر اعادہ روح کی حدیث لکھ کر فرماتے ہیں:
”وذهب الیٰ قول بموجب هذا الحدیث، جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطوائف۔“[کتاب الروح۔ص:٦٠]
ترجمہ: اس حدیث اعادہ روح کے پیش نظر اہل السنۃ کے تمام گروہ اسی طرف چلے گئے ہیں کہ قبر میں اعادہ روح ہوتا ہے۔
۴......”الایمان بعذاب القبر فتنة واجب والتصدیق به لازم حسب مااخبر به الصادق وان الله تعالیٰ یحی العبد المکلف فی قبره برد الحیاة الیه ویجعله من العقل فی مثل الوصف الذی عاش علیه لیعقل مایسئل عنه ومایجیب به ویفهم مااتاه من ربه وما اعدله فی من کرامه او هوان وبهٰذا نطقت الاخبار عن النبی المختار صلی الله علیه وسلم وعلیٰ آله اناء اللیل واطراف النهار وهٰذا مذهب اهل السنة والذی علیه الجماعة من اهل الملة۔ ولم تفهم الصحابة الذین نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبیهم علیه السلام غیر ماذکرنا کذالك التابعون بعدهم الیٰ هلم جرّا۔ ولقد قال عمربن الخطاب رضی الله عنه: لمااخبر النبی صلی الله علیه وسلم بفتنة المیت فی قبره وسوال منکر ونکیر وهما الملکان له، یارسول الله! ایرجع الیّ عقلی؟ قال: ”نعم“، قال:اذا اکفیکهما۔ والله لئن سألانی سألتهما۔ فاقول لهما: انا ربی الله، فمن ربکما انتما؟“[التذکرة للقرطبی۔۱۳۷]
ترجمہ: عذاب قبر اور اس کے فتنہ پر ایمان لانا واجب ہے اور تصدیق اس کی لازم ہے۔ اس کے مطابق جو نبی صادق نے ساتھ اس کے خبر دی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندۂ مکلّف کو اپنی قبر میں زندہ کرتا ہے، اس کی حیات کو اس کی طرف رد کر دیتا ہے اور اس کے لیے اتنا عقل بناتا ہے جس وصف پر وہ دنیا میں زندہ رہا تاکہ سمجھے اس چیز کو جو اس سے پوچھی جائے اور جو جواب دے ساتھ اس کے اور سمجھے اس کو جو آئی اس کے پاس رب کی طرف سے اور جو تیار کیا واسطے اس کے اس کی قبر میں عزت سے یا ذلت سے اور ساتھ اسی کے ناطق ہیں وہ حدیثیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

اور یہی مذہب ہے اہل سنت کا اور اسی پر ہے جماعت اہل ملت سے اور صحابہ کرام سے جن کی زبان میں قرآن اترا جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے سوا کچھ نہیں سمجھا۔ اور اسی طرح ان کے بعد تابعین نے ھلم جرا۔ اور البتہ تحقیق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قبر میں میت کا امتحان

ہوتا ہے اور منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے۔اے اللہ کے رسول! کیا میری عقل میری طرف لوٹا دی جائے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ کہا: اس وقت میں ان دونوں کو کافی ہوں۔ اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے سوال کریں گے تو میں بھی ان سے سوال کروں گا اور ان کو کہوں گا میرا رب تو اللہ ہے، تم بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟

۵......مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ان الاحادیث الصحیحة بان الروح یعاد فی الجسدعندالسوال"[نبراس۔۲۰۹]

ترجمہ: یقیناً احادیث صحیحہ اس بات پر ناطق ہیں کہ سوال کے وقت قبر میں جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

۶......علامہ سید محمد آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والجمهور علیٰ عودالروح الیٰ جسده او بعضه وقت السوال علیٰ وجه لایحس به اهل الدنیا الامن شاء الله تعالیٰ۔"[تفسیرروح المعانی۔ج:۱۱،ص:۸۷]

ترجمہ: جمہور علماء اسلام اس نظریہ پر قائم ہیں کہ قبر میں سوال کے وقت کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے ایسے طریقے پر کہ اس کو اہل دنیا محسوس نہیں کرتے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں محسوس کرا دیتے ہیں۔

۷......حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وخالفهم الجمهورفقالوا تعاد الروح الی الجسداو بعضه کماثبت فی الحدیث۔"[فتح الباری،ج:۳،ص:۳۰۱]

ترجمہ: (بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر کا سوال صرف روح سے ہوگا اور بعض کہتے ہیں صرف جسد سے ہوگا۔لیکن) جمہور علماء اسلام نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے۔

۸......علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ان حدیث ابن عمر علیٰ ان مخاطبة اهل القلیب کانت وقت المسألة ووقتها وقت اعادة الروح الیٰ الجسد۔"[عمدة القاری شرح صحیح البخاری۔ج:۸،ص:۲۹۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر کی حدیث قلیب بدر اس بات پر محمول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل قلیب سے کلام کرنا قبر کے سوال کے وقت تھا، اور اسی وقت جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"لان دعوی اعادة الروح الی الجسد قبل الدفن یحتاج الیٰ دلیل۔"[عمدةالقاری شرح صحیح البخاری،ج:۸،ص:۱۲۵]

ترجمہ: قبر میں تو اعادۂ روح قطعی اور یقینی ہے، لیکن دفن سے پہلے اعادہ روح دلیل کا محتاج ہے۔

۹......حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کمااشار الیه صاحب الهدایة فی الایمان۔"[فیض الباری،ج:۱،ص:۱۸۵]

ترجمہ: پھر سوالِ قبر میرے نزدیک روح اور جسد کے مجموعہ سے ہوتا ہے، جس طرح کہ صاحبِ ہدایہ نے ''کتاب ایمان'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۰......حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"مذهب جمهور اهل السنة وهو انه تعاد الروح الى الجسد اوالىٰ بعضه عندالسوال او العذاب كماثبت فى الحديث۔"[تكملة فتح الملهم۔ص۲٤٠]

ترجمہ: جمہور اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ سوالِ قبر اور عذابِ قبر کے وقت روح کا کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ ہوتا ہے۔

اور حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"وقد ثبت الاحاديث بماذهب اليه الجمهور"

یعنی: جمہور کا مذہب حدیثوں سے ثابت ہے۔

۱۱......حضرت مولانا ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"واعلم ان اهل الحق اتفقوا علىٰ ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حياة فى القبر قدر مايتألم اويتلذذ "[شرح فقه اكبر،ص:١٠١]

ترجمہ: اور جان لیں کہ تمام اہلِ حق نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کے اندر میت میں ایک خاص قسم کی حیات پیدا فرمادیتے ہیں، اتنی کہ وہ رنج و راحت کو محسوس کرے۔

۱۲......حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومع ذالك لكل روح منهااتصال جسده فى قبره لايدرك كنه الا الله تعالىٰ وبذالك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة اوالنار ويحس اللذة او الالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذالك بما ثبت بالكتاب والسنة۔"[تفسير مظهرى۔ج:١٠،ص:٢٢٥]

ترجمہ: اور باوجود اس کے ہر روح کا قبر میں مدفون جسد کے ساتھ اتصال ہوتا ہے، جس کی کنہہ (حقیقت) صرف اللہ ہی جانتے ہیں اور اسی اتصال کی وجہ سے یہ عقیدہ صحیح ہے کہ روح اور جسد کے مجموعہ انسان پر اس کا جنت یا دوزخ سے ٹھکانہ اور وہ رنج و راحت کو محسوس کرتا ہے اور زائر کا سلام سنتا ہے۔ اور منکر نکیر کا جواب دیتا ہے اور مثل اس کے جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

"وكذا انعقد الاجماع على عذاب القبر على الروح والجسد جميعا"[ایضا۔ج:۹،ص:۷۷]

ترجمہ: اور اسی طرح اجماع منعقد ہوا ہے کہ عذابِ قبر روح اور جسد دونوں پر ہوتا ہے۔

۱۳......فقہاءِ اسلام فرماتے ہیں:

''من يعذب في القبر يوضع فيه الحياة في قول العامة۔''[هداية۔ج:۲،ص:٥٠٤۔باب اليمين في القتل والضرب...... شامي۔ج:۳،ص:١٣٤...... حاشيه عيني۔شرح كنز الدقائق،ص١٦٣]

ترجمہ: جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں حیات رکھ دی جاتی ہے۔ عام علماء کا یہی قول ہے۔

کیا قبر میں اعادہ قرآن کے خلاف ہے؟

عصر حاضر کے معتزلہ فرقہ مماتیہ قبر میں اعادہ روح کے منکر ہیں، کیونکہ یہ لوگ عذاب قبر کی صحیح صورت کے قائل نہیں ہیں، اسی لیے عامۃ الناس میں یہ غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ''قبر میں اعادہ روح قرآن کے خلاف ہے۔'' اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''قرآن میں ہے کہ: ایک دفعہ جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہ دوبارہ جسم میں واپس نہیں آتی۔''

حالانکہ ایسی باتیں قرآن میں قطعاً نہیں ہیں۔ اور جو آیات استدلال میں پیش کرتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی ایک دفعہ عالم دنیا سے رخصت ہو جائے تو دوبارہ اس دنیا میں واپس نہیں آتا۔ سنت اللہ اور قانون خداوندی یہی ہے۔ البتہ خرق عادت کے طور پر کئی مردے مر کر بھی عالم دنیا میں واپس آئے ہیں۔ بہرحال سنت اللہ وہی ہے کہ مردے دوبارہ دنیا میں واپس نہیں آتے۔

الغرض قانون یہ ہے کہ اعادہ انسان الی الدنیا ممنوع ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ روح جسم میں ایسے طریقے سے واپس آئے کہ آدمی دنیا والی پہلی حالت پر واپس آ جائے، لیکن قبر میں اعادۂ روح ایسے طریقے پر نہیں ہوتا کہ آدمی دنیا والی پہلی حالت پر آ جائے بلکہ قبر میں اعادۂ روح ایسے طریقے سے ہوتا ہے کہ مردہ انسان وہیں عالم قبر و برزخ میں رہے گا۔ دنیا والی پہلی حالت پر واپس نہیں آئے گا۔ بلکہ اعادۂ روح کے باوجود مردہ انسان نہ دنیا میں واپس آئے گا اور نہ ہی دنیا والی پہلی حالت پر واپس آئے گا۔ اور ایسا اعادۂ روح کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اور یہی جمہور علمائے اسلام کا عقیدہ ہے۔

ان نام نہاد توحیدیوں کی تلبیس سے بچتے ہوئے فرق کو ملحوظ رکھیں۔ اعادۂ انسان الی الدنیا اور چیز ہے اور اعادۂ روح الی الجسد فی القبر بالکل اور چیز ہے۔ ان دونوں کو ایک بنا کر ایک حکم لگا دینا اُن لوگوں کا کام ہے جو نام کے ''شیخ القرآن'' یا نام کے ''شیخ الحدیث'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے حق و باطل کو خلط ملط کرنے والوں کے شر سے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں اکابر علمائے اہل سنت کے نقش قدم پر استقامت نصیب فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ یارب العالمین۔ بجاہ النبی الکریم۔

املاء: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی۔ خادم: جامعہ عثمانیہ، ترنڈہ محمد پناہ، تحصیل لیاقت پور، ضلع رحیم یار خان

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

مسئلہ وحدۃ الوجود......اور......آل غیر مقلدیت

(......قسط نمبر 5......)

(۹)......غیر مقلدین کی کتاب ''قافلہ حدیث'' سے جامعہ سلفیہ کے ایک استاد کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

''ابن عربی کا ذکر آیا تو جامعہ سلفیہ بنارس کے استاد نے اچھی خاصی نرمی کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور کہا کہ ان کو وہ مقام ملنا چاہیے جس کے وہ مستحق ہیں اور بہت سے بزرگ ہیں جو ان کو مانتے ہیں اوران کے قائل ہیں۔'' [قافلہ حدیث۔ص:۲۱۰]

جامعہ سلفیہ بنارس آل غیر مقلدیت کا مدرسہ ہے۔

(۱۰)......علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابن عربی کے دفاع میں ایک مستقل کتاب لکھی، جس کا نام ''تنبیہ الغبی علیٰ تنزیہ ابن عربی'' ہے۔[التاج المکلل،ص:۱۲۴]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ آل غیر مقلدیت کے نزدیک تارک تقلید تھے، بلکہ زبیر علی زئی کے بقول انہوں نے تقلید کے رد پر ایک عظیم الشان کتاب بھی لکھی ہے۔[علمی مقالات، ج:۳۔ص:۵۷]

(۱۱)......علامہ ابن تیمیہ، ''مجموعة الرسائل والمسائل''،ص:۱۷۶ میں رقم طراز ہیں۔ترجمہ:

''ابن عربی اتحادی وجودیوں میں سے اسلام کے سب سے زیادہ قریب ہے، اوراس کا کلام بہت سے مقامات پر سب سے زیادہ اچھا ہے، چنانچہ وہ ظاہر اور مظاہر (خالق اور مخلوق) میں فرق کرتا ہے، اس لیے امر و نہی اور شریعت کو جُوں کا تُوں تسلیم کرتا (اور واجب العمل گردانتا) ہے۔''

[الاعتصام، اشاعت خاص، بیاد: عطاءاللہ حنیف بھوجیانی۔ص:۳۱۴]

(۱۲)......آل غیر مقلدیت کے پرچہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:

''امام شوکانیؒ شروع شروع میں ابن عربی وغیرہ پر سخت تنقید بلکہ اس کی تکفیر بھی کرتے رہے، لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ دیکھئے البدر الطالع۔ج:۲،ص:۳۲ تا ۳۹۔علامہ جلال الدین سیوطی اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کا مؤقف تقریباً ایک ہی ہے کہ ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود ان کے کشف میں غلطی کا نتیجہ ہے، اس لیے اسے تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان کی ولایت میں کوئی شک وشبہ نہ ہونا چاہیے۔''[الاعتصام، اشاعت خاص، بیاد: عطاءاللہ حنیف بھوجیانی۔ص:۳۱۴]

(۱۳)......آل غیر مقلدیت کے ''خاتم المحدثین'' نواب صدیق حسن خان، ابن عربی کے ترجمہ میں دفاعی عبارت نقل کرتے ہیں:

"ومانسب الیھم ای المشائخ کابن عربی وغیرہ لہ محامل، الاول:انہ لم تصح نسبتہ الیھم۔ الثانی:بعدالصحۃ یلتمس لہ تاویل موافق فان لم یوجد لہ التاویل فی الظاھر فلہ تاویل فی الباطن لم نعلمہ وانما یعرفہ العارفون۔

ابن عربی وغیرہ مشائخ کی طرف جوغلط باتیں منسوب کی گئی ہیں، ان کے کئی محمل ہیں۔اول: یہ کہ ان کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں۔دوم: یہ ہے کہ ان باتوں کے صحیح ہونے کے بعدکوئی موافق تاویل تلاش کی جائے گی، اگر بظاہر کوئی تاویل نہ پائی جائے تو اس کی باطنی تاویل ہوگی جس کا ہمیں علم نہیں، اسے عارفین ہی جانتے ہیں۔''[التاج المکلل، ص:۱۲۴]

اگر کوئی سوال کردے کہ اس عبارت کی کوئی باطنی تاویل بھی نہ ہوسکے تو پھر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عبارت حالتِ سکر (نشہ) پرمحمول ہوگی، جس پر مواخذہ نہیں۔اور یہ تیسرا محمل ہے۔[التاج المکلل، ص:۱۲۴]

(۱۴)......نواب صاحب ہی لکھتے ہیں:

''وحدت الوجود کے اثبات یا ابطال میں لب کشائی نہ کرنی چاہیے، اگر خود ذی فہم ہے تو اپنی فہم پر قناعت کرے اور اگر وہ نہیں سمجھتا تو ان کے اقوال کو ان کے قائلین پر چھوڑ دے۔''[مآثر صدیقی، حصہ چہارم۔ص:۳۹]

ابن عربی کے اقوال سے استدلال وتائید

(۱) فضل حسین بہاری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''**خاتم الولایۃ المحمدیہ** شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں۔''[الحیاۃ بعد المماۃ، صفحہ۱۲۴]

(۲) بہاری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''خاکسار سوانح نگار بعض عبارتیں فتوحات مکیہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی جو مناسب محل اور نہایت ہی دلچسپ ہیں اپنی طرف سے ایزاد کرتا ہے۔''[الحیاۃ بعدالمماۃ، ص:۶۳۱]

(۳) مجدد آل غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان صاحب "صلوٰۃ تنجینا" کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیخ اکبر نے اس صیغۂ درود کو ایک کنز کنوز عرش (سے) بتایا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص اس کو جوف لیل میں ہزار بار پڑھے گا اس کی حاجت دنیاوی ودینی بہت جلد درجہ اجابت کو پہنچے گی۔''

[کتاب التعویذات، ص:۱۸۲، طبع: عظیم پبلشرز لاہور]

زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ''اتباع'' کو جائز اور ''تقلید'' کو بدعت قرار دیتے ہیں۔[دین میں تقلید کا......]

علی زئی صاحب یہاں تعیین کریں کہ نواب صدیق حسن خان نے مذکورہ عبارت میں شیخ اکبر کی

اتباع کی ہے یا تقلید؟

(۴) عبدالسلام مبارک پوری غیر مقلد، اہل الرائے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صوفی صافی امام محی الدین ابن عربی......فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ امام آخرالزماں کے دشمن یہی لوگ ہوں گے۔'' [سیرۃ البخاری، ص:۳۰۹]

غیر مقلدین یہ عقدہ بھی حل فرمائیں کہ ابن عربی کو صدیوں پہلے کیسے معلوم ہوگیا کہ امام آخرالزماں کے دشمن اہل الرائے ہوں گے......؟ جبکہ کشف آپ لوگوں کے نزدیک علم غیب کے مساوی ہے۔ زبیر علی زئی جو وحدۃ الوجود کو کفر قرار دینے والے ہیں وہ بتائیں کہ مبارک پوری کا ابن عربی کی پیروی میں اہل الرائے کو مطعون کرنا ''اتباع'' کہلائے گا یا ''تقلید'' ......؟ اور یہ بھی فرمائیں کہ ابن عربی جب بقول مبارک پوری اہل الرائے کے مخالف ہیں وہ اہلحدیث ہی ہوں گے یا کچھ اور......؟

(۵) نسائی، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی تو صرف اور صرف ایک مرتبہ رفع الیدین کیا۔

ابن عربی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی یوں تاویل کی ہے کہ ایک مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ شیعوں کی طرح رفع یدین کرتے ہوئے ہاتھ کو بار بار نہیں اٹھایا بلکہ ایک مرتبہ ہی اٹھایا، ایک مرتبہ کا یہ مطلب نہیں کہ شروع میں رفع یدین کیا اور رکوع والا نہیں کیا۔

ابن عربی کی یہ تاویل باطل ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ اس طرح بھی مروی ہیں ''**لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ**'' [ترمذی] کہ فقط شروع ہی میں رفع یدین کیا۔ یعنی شروع کی رفع یدین کا اثبات ہے باقی کی نفی ہے۔ نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تبویب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رکوع کے رفع یدین کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''**باب رفع الیدین للرکوع**'' قائم کرکے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رکوع کے رفع یدین کی حدیث بیان کی ہے۔ اس کے بعد باب قائم کیا ''**ترک ذالک**'' اس رکوع کے رفع یدین کا ترک۔ پھر اس باب کے تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا۔ حاصل یہ کہ حدیث کے الفاظ اور امام نسائی رحمہ اللہ کی تبویب کے پیش نظر ابن عربی کی تاویل غلط اور باطل ہے۔

لیکن بہت سے غیر مقلد حدیثِ ابن مسعود سے جان چھڑانے کے لیے ابن عربی کی غلط اور باطل تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً جامعہ سلفیہ بنارس کے رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کو صحیح فرض کرکے مذکورہ بالا توجیہ ہی صحیح ہے، کیونکہ ہمارے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے تحریمہ یا غیر تحریمہ کے وقت بار بار مضطرب و متحرک گھوڑوں کی دموں کی طرح بار بار کے رفع یدین سے منع کیا اور یہی بات امام الصوفیاء ابن عربی نے کہی۔'' [سلفی تحقیقی جائزہ، ص:۵۷۲]

زبیرعلی زئی صاحب! بتایئے جو غیر مقلد مصنفین حدیثِ ابن مسعود کو تاویل کی بھینٹ چڑھانے کے لیے ابن عربی کی پیروی کرتے ہیں ان کا یہ پیروی کرنا ''اتباع'' کے زمرہ میں آتا ہے یا ''تقلید'' کے زمرہ میں؟

(۶) غیر مقلدین کے استاذ الاساتذہ عبدالغفار محمدی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ نہیں جائز کسی آیت یا خبر (حدیث) کا چھوڑنا کسی شخص کے قول کے مقابلہ میں، خواہ وہ صحابی اور امام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس نے ایسا کیا وہ کھلا گمراہ ہے اور اللہ کے دین سے خارج۔ فتوحات مکیہ۔'' [تین سو پچاس سوالات، ص:۲۰۵]

عبدالغفار صاحب نے یہاں اپنے زعم کے مطابق ''تقلید'' کی مذمت پر ابن عربی کے قول سے استدلال کیا ہے، مگر ہم انہیں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اس عبارت میں جس ''تقلید'' کی مذمت کی گئی ہے وہ اہل حدیث ہونے کے دعویدار کِیا کرتے ہیں، مثلاً: عبدالحق غزنوی غیر مقلد اپنی جماعت کے معزز بزرگ ثناء اللہ امرتسری صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''تفسیر نبوی جس سے دیدار الٰہی اور مذہب اہل سنت و جماعت ثابت ہوتا تھا چھوڑ کر جہمیہ و معتزلہ وغیرہ منکرین دیدار الٰہی کا مقلد ہوگیا۔'' [الاربعین، ص:۱۶......مشمولہ: رسائل اھلحدیث، ج۱۔]

اس کی مزید تفصیل بندہ کی کتاب ''تقلیدی اہل حدیث'' میں بیان ہوگی، ان شاءاللہ۔

عبدالغفار محمدی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ایسا حنفی شافعی، گمراہ ضال مضل ہے۔ ابن عربی۔'' [تین سو پچاس سوالات، ص:۴۴۰]

میری معلومات کے مطابق ابن عربی نے میری معلومات کے مطابق کسی حنفی یا شافعی کا نام لے کر اسے گمراہ نہیں کہا، بلکہ مطلقاً کہا ہے کہ جو قرآن وحدیث کے خلاف کسی کی پیروی کرے وہ گمراہ ہے......اور اوپر مذکور ہوا کہ ایسی پیروی نام نہاد اہلحدیث ہی کِیا کرتے ہیں، چونکہ غیر مقلدین کے طبقہ میں ابن عربی کا بہت بڑا مقام ہے وہ انہیں ''خاتم الولایة المحمدیه'' سمجھتے ہیں اس لیے عبدالغفار صاحب نے ابن عربی کا حوالہ دے دیا تا کہ آل غیر مقلدیت ان (ابن عربی) کی شخصیت و مقام پر اعتماد کرتے ہوئے حنفیوں اور شافعیوں کو گمراہ تسلیم کرلیں۔

(۷) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد، سورۂ فاتحہ کے وظیفہ میں بسم اللہ کی میم کو الحمد کے لام سے ملا کر پڑھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کتبِ مشائخ میں میم بسم اللہ کو لامِ الحمد سے ملا کر اعمال میں پڑھنا مذکور ہے۔ شیخ محی الدین (ابن) عربی، صاحبِ فتوحات مکیہ نے اس بارہ میں ایک حدیث اپنی سند متصل سے تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا رب العالمین مسلسل بحلف نقل کی ہے، اس حدیث کا اتا پتا کسی معتبر کتابِ حدیث میں نہیں ملا لیکن یہ طریقہ مجرب علماء عاملین ہے۔'' [کتاب التعویذات،، ص:۱۶۴]

فتوحات مکیہ میں ذکر کردہ روایت کا وزن بڑھانے کے لیے نواب صاحب یہ تاویل کر رہے ہیں کہ یہ علماء کے عمل سے مؤید ہے۔

(۸) نواب صدیق حسن خان، ہی قوم کو استخارہ کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صورت اس استخارے کی جس طرح کہ شیخ محی الدین عربی نے اپنے وصایا آخر کتاب فتوحات مکیہ میں لکھی ہے یہ ہے کہ......'' [کتاب التعویذات، ص:۱۶۶]

(۹) آل غیر مقلدیت کے امام العصر میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں......'' [تفسیر واضح البیان، ص:۴۶۱]

(۱۰) نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

''شیخ عارف محی الدین ابن عربی، صاحبِ فتوحات مکیہ نے ابن حزم کی تعریف کی ہے۔''

[التاج المکلل، ص:۹۰]

چونکہ غیر مقلدین، ابن حزم ظاہری کو اپنا غیر مقلد سمجھتے ہیں اس لیے ان کا قابل تعریف ہونا ابن عربی کی زبانی ذکر کر دیا، تا کہ آل غیر مقلدیت بھرپور اعتماد کر سکیں۔

(۱۱) میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کے سوانح نگار، فضل حسین بہاری غیر مقلد نے ان کے متعلق لکھا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ کچھ حصہ میاں صاحب نے مناظرہ میں بھی لیا، مگر ٹھیک اسی طرح جیسا کہ ''خاتم الولایۃ المحمدیہ، امام الصوفیاء، شیخ اکبر محی الدین عربی نے لیا تھا۔'' [الحیاۃ بعد المماۃ، ص:۳۹۲]

یعنی میاں صاحب، علامہ ابن عربی کو مقتدا سمجھتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلے ہیں یا ان سے موافقت کی ہے۔ پہلی صورت میں میاں صاحب کی طرف انگلی اٹھے گی کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کے داعی ابن عربی کو مقتدا سمجھا اور دوسری صورت میں ترچھی نگاہ بہاری صاحب کی طرف جائے گی کہ وہ میاں صاحب کی ابن عربی سے موافقت پر نازاں ہیں۔

(۱۲)......تاریخ اہلحدیث میں لکھا ہے:

''علامہ ابن العربی نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۸ (میں) یہ روایت درج کی، آپ فرماتے تھے اس شخص پر میرے فتاوی کی تقلید حرام ہے جو یہ نہیں جانتا کہ میرے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے، ناقل) دلائل کے ماخذ کیا ہیں۔'' [تاریخ اہلحدیث، ص:۳۱۔ مؤلفہ: احمد الدہلوی]

مذکورہ روایت تقلید کی مذمت میں پیش کی گئی، جب کہ اس کے پہلے راوی یا ناقل ابن عربی وحدۃ الوجود کے علمبردار ہیں، مگر غیر مقلدین نے ان کی شخصیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کا حوالہ دے دیا تا کہ آل غیر مقلدیت کے ہاں بات وزنی سمجھی جاسکے جو انہیں خاتم الاولیاء سمجھتے ہیں۔

تاریخ اہلحدیث ہی میں لکھا ہے:

''علامہ ابن العربی اپنی تصنیف لطیف فتوحات مکیہ کے آٹھویں باب، ص:۹۱، ج:۳، مطبوعہ مصر۔ میں فرماتے ہیں۔'' [تاریخ اہلحدیث، ص:۹۹۔ احمد دہلوی]

یعنی ان کے نزدیک فتوحات مکیہ ''تصنیف لطیف'' ہے، ماشاء اللہ۔ اسی کتاب تاریخ اہلحدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''شیخ ابن العربی...... نے کہا کہ دوستو! علم الحدیث نبوت کا ایک حصہ ہے، اسی لیے معاذؓ وغیرہ کے واقعوں میں بیان کیا گیا کہ محدثین رسول اللہ کے ساتھ محشور ہوں گے، چونکہ یہ لوگ احادیث کو رسول کی قریبی نسبت سے دیکھتے ہیں اور فقہاء جنہوں نے حدیث کی روایت میں حصہ نہیں لیا ان کا یہ مرتبہ نہیں، اسی لیے فقہاء رسول اللہ کے ساتھ محشور نہیں ہوں گے، ان کا حشر عام لوگوں کے ساتھ ہوگا اور نہ ہی ان پر علماء کے نام کا اطلاق ہوتا ہے، مگر اہلحدیث کو علماء کا لقب دینا سزاوار ہے، یہ لوگ حقیقتاً ائمہ امت ہیں۔ فتوحات مکیہ، باب ۳۱۳، ص:۶۵، مصری۔'' [تاریخ اہلحدیث، ص:۱۱۰۔ دہلوی]

(۱۳)......محمد یوسف جے پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: ''تقلید کی تردید فقہاء وعلماء کے اقوال سے'' پھر اس عنوان کے تحت لکھا:

''فتوحات مکیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ: جس بات کی میں تجھے وصیت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر تو عالم ہے تو تجھے اللہ نے دلیل دی ہے، اس کے برخلاف عمل کرنا حرام ہے، اور جب تجھے دلیل حاصل ہوسکتی ہوتو پھر تجھے اپنی ذات کے سوا کسی اور کی تقلید حرام ہے۔'' [حقیقۃ الفقہ، ص:۸۴]

اس عبارت سے جہاں ابن عربی کے قول سے استدلال کی نشاندہی ہے وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ابن عربی، یوسف جے پوری کے نزدیک فقہاء وعلماء میں شمار ہوتے ہیں۔

(۱۴)......آل غیر مقلدیت کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی ان کی وصیت نقل کی ہے اور

اس پر یوں عنوان قائم ہے ''وصیت شیخ محی الدین ابن العربی کی''۔[معیار الحق،ص:۱۸۹]

(۱۵)......آل غیر مقلدیت کے ''محقق اسلام، حضرۃ العلام ومولانا'' عبدالقادر حصاری اپنے دعویٰ پر دوسری شہادت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسرے شاہد ابن عربی ہیں، فتوحات مکیہ مطبوعہ مصر جلد۳، ص:۹۱ میں فرماتے ہیں کہ......''

[اصلی اہلسنت کی پہچان۔ص:۱۷۰]

(۱۶)......آل غیر مقلدیت کے ''حضرت، خطیب ومولانا'' عبدالسلام بستوی فرماتے ہیں:

''ابن عربی نے کیا زریں مقولہ ارشاد فرمایا ہے: بے حد ریاکار اور گھاٹے والا وہ ہے جو لوگوں کے سامنے تو بھلے اور نیک کام کرے، لیکن خدا کے سامنے جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے بدکام کرے۔''

[اسلامی خطبات۔ج:۱،ص:۲۲]

ظاہر یہی ہے کہ مذکورہ عبارت محی الدین ابن عربی صوفی کی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ثابت کردے تو ہم ان شاء اللہ اپنے اس حوالہ پر خط نسخ پھیر دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(۱۷)......آل غیر مقلدیت کے ''امام العصر'' میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب، علامہ شعرانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بے شک شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں اپنی سند سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ (اکثر) فرمایا کرتے تھے (اے لوگو!) تم خدا کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہنے سے بچو اور لازم پکڑو اتباع سنت کو، کیونکہ جو کوئی اس سے خارج ہوا وہ گمراہ ہوگیا۔'' [تاریخ اہلحدیث،ص:۱۴۳]

(۱۸)......حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہ اپنے شام کے سفر میں لکھتے ہیں:

''علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مسلکاً اہلحدیث تھے...... وہ اپنی تحریروں میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور امام غزالیؒ کی کتابوں کے اقتباسات اسی وقعت وعزت واحترام کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس (وقعت وعزت اور احترام) کے ساتھ علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے اقتباسات نقل فرماتے ہیں۔''

[سفر در سفر۔ص:۱۰۴]

(۱۹)......فضل حسین بہاری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ان اوراق کا مرتب کہتا ہے کہ اجماع کی وہ تعریف جو خاتم الولایۃ المحمدیہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب ''فتوحات مکیہ'' میں ذکر کی ہے، انتہائی جامع مانع ہے۔'' [الحیاۃ بعد المماۃ۔ص:۳۰۲ ......بحوالہ: کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ،ص:۱۴۵] (جاری ہے۔۔۔)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیرعلی زئی......کا......تعاقب

(......قسط نمبر 4......)

''تقلید'' پر بعض اعتراضات کا جائزہ

تقلید کے خلاف اتباع والی آیات سے استدلال:

آل غیر مقلدیت ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ اتباع اور تقلید میں فرق ہے، مگر جب تقلید کی تردید کرنے لگتے ہیں تو اس کے خلاف اتباع والی آیات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً......

[۱]"واذاقیل لھم اتبعوا ماانزل الله قالوا بل نتبع ماالفینا علیه آباء نا" اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کرو جسے اللہ نے نازل کیا تو وہ کہتے ہیں ہم تو اس طریقہ کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ [البقرہ۔ آیت ۱۷۰]

مشرکین کے اس قول ''بل نتبع ، ہم تو اتباع کریں گے۔'' سے آل غیر مقلدیت تقلید کی مذمت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید کرتے تھے۔ اس آیت کو تقلید کی تردید میں پیش کرنے والے لوگوں میں سے صلاح الدین یوسف، امین اللہ پشاوری اور زبیرعلی زئی کے استاد بدیع الزمان راشدی بھی ہیں۔ دیکھیے علی الترتیب [تفسیری حواشی، ص:٦٧۔ حقیقة التقلید واقسام المقلدین، ص:۱۱۹۔ تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید، ص:۱۳۷] اس مضمون کی ایک آیت سورۃ لقمان آیت ۲۱ بھی ہے جس میں ''نتبع ، ہم تو اتباع کریں گے۔'' مذکور ہے۔ محمود الحسن الجمیری غیر مقلد نے اسے تقلید کی تردید میں پیش کیا ہے۔

[حقیقت تقلید، ص:۵۳]

[۲]"اتبعوا ماانزل الیکم من ربکم ولاتتبعوا من دونه اولیاء" اتباع کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس کے علاوہ اولیاء کی اتباع نہ کرو۔

[الاعراف، آیت ۳]

آل غیر مقلدیت اس آیت کو بھی تقلید کی مذمت میں پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے اولیاء کی اتباع سے منع فرمایا...... حالانکہ اس آیت میں بھی تقلید کی بجائے اتباع سے ممانعت ہے، اس آیت کو تقلید کی تردید

میں ذکر کرنے والے آل غیر مقلدیت کے کئی بزرگ شامل ہیں۔ مثلاً امین اللہ پشاوری، پروفیسر عبداللہ بہاولپوری، بدیع الزمان راشدی اور محمود الحسن الحمیری۔ دیکھئے علی الترتیب

[حقیقۃ التقلید، ص:۱۱۹۔ رسائل بہاولپوری، ص:۵۶۔ تنقید سدید، ص:۲۲۴۔ حقیقتِ تقلید ص:۵۱]

[۳] سورۃ قصص کی آیت ۵۰ ''من اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله''

اس آیت کا ترجمہ محمود الحسن الحمیری غیر مقلد نے اس طرح کیا ہے: ''اس سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جس نے اپنی خواہش کی تقلید اور تابعداری کی بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے۔'' [حقیقتِ تقلید، ص:۵۰] حمیری صاحب نے اتباع کا معنیٰ تقلید کر کے اس آیت کو تقلید کی تردید میں ذکر کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آل غیر مقلدیت کے نزدیک اتباع و تقلید دونوں میں فرق ہے کہ اتباع بادلیل پیروی اور تقلید بے دلیل پیروی کا نام ہے تو قرآنی آیات میں مذکور اتباع کا معنیٰ تقلید کیوں کرتے ہیں؟

اتباع و تقلید کا ترادف غیر مقلدین کی زبانی:

(۱)......زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''لغت کی ایک مشہور کتاب ''المعجم الوسيط'' میں لکھا ہوا ہے......ترجمہ: اور فلاں کی تقلید کی، بغیر حجت اور دلیل کے اس کے قول یا فعل کی اتباع کی۔'' [دین میں تقلید کا مسئلہ، ص:۷]

یعنی تقلید کا معنیٰ اتباع ہے۔ زبیر صاحب نے ''كشاف اصطلاحات الفنون'' کی عبارت نقل کی جس کی ابتدا اس طرح ہے:

''التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل'' [دین میں تقلید کا مسئلہ، ص:۱۱]

انسان کا اپنے غیر کے قول یا فعل میں اتباع کرنا تقلید ہے......زبیر صاحب نے کسی مصلحت کی وجہ سے مذکورہ عبارت کا ترجمہ نہیں کیا۔ کشاف کی اس عبارت سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ تقلید، اتباع کرنے کو کہتے ہیں۔

(۲)......پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد، رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رہا ہاتھ باندھنے کا عمل تو اس پرفتن دور کے چند افراد کا استدلال ہے۔ اور متاخرین میں سے بعض افراد کے اتباع ہی کو تو تقلید کہتے ہیں۔'' [رسائل بہاولپوری، ص:۱۳۸]

بہاولپوری صاحب کا یہ جملہ ''اتباع ہی کو تقلید کہتے ہیں'' انتہائی قابل توجہ ہے، نیز ان کا یہ کہنا کہ ہاتھ باندھنے والے متاخرین کے مقلد ہیں۔ بھی دلچسپی سے خالی نہیں، کسی دور میں خود زبیر علی زئی صاحب بھی

ہاتھ باندھنے کو راجح سمجھتے تھے اور اس کو جائز تو اب بھی کہتے ہیں۔

[علمی مقالات، ج:۱،ص:۴۸۸۔۴۹۶]

(۳)......آل غیر مقلدیت کے ہیرو میاں نذیر حسین دہلوی [الحیاۃ بعد المماۃ،ص:۲۔۴] لکھتے ہیں:

''معنیٰ تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنیٰ عرفی سے مجتہدوں کے اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے۔'' [معیار الحق،ص:۷۲]

میاں صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہے۔'' [معیار الحق،ص:۷۳]

(۴)......زبیر علی زئی صاحب کے استاد بدیع الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں:

''تقلید، اتباع بلا دلیل ہی کا نام ہے۔'' [تنقید سدید،ص:۲۴۴]

راشدی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''کسی مخصوص شخص کی رائے کے اتباع سے بھی ممانعت ہوئی جو کہ صریحاً تقلید شخصی کی منع ہے۔''

[تنقید سدید،ص:۲۴۴]

راشدی صاحب نے تقلید کی تعریف اتباع سے کی اور اتباع کی ممانعت کو تقلید کی ممانعت قرار دے رہے ہیں۔

(۵)......زبیر علی زئی کے شیخ الشیخ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارا مذہب ہے کہ ہم بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کو متبوع نہیں مانتے جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنیٰ ہیں کہ ہم کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے۔''

[اہلحدیث کا مذہب، مشمولہ رسائل ثنائیہ،ص:۶۱]

امرتسری صاحب نے پہلے کہا ہم کسی امتی کو ''متبوع'' نہیں مانتے یعنی کسی کی اتباع نہیں کرتے۔ پھر کہا دوسرے لفظوں میں ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ حاصل یہ کہ انہوں نے اتباع کی نفی سے تقلید کی نفی ظاہر کی جس سے ان دونوں کا ایک ہونا واضح ہوا۔

(۶)......محمود الحسن الحمیری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بے شک قرآن کریم میں تقلید کے لیے لفظ اتباع ہی استعمال کیا گیا ہے'' [حقیقتِ تقلید،ص:۶۰]

(۷)......محمد یوسف جے پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عقدالجید ص:۴۲ میں ہے کہ "فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤ لاء احق بان

یتبع من غیرہ۔ پس اگر تقلید جائز ہوتی تو اس جماعت صحابہ میں سے ہر ایک تقلید کے لیے غیر کی نسبت زیادہ سزاوار تھا۔'' [حقیقۃ الفقہ، ص:۸۷]

جے پوری صاحب ''یُتبَعُ'' کا ترجمہ ''تقلید'' کر رہے ہیں۔

(۸)......امین اللہ پشاوری غیر مقلد نے قرآنی آیت ''لاتتبعوا من دونہ اولیاء'' ذکر کرنے کے بعد لکھا:

''تفسیر قرطبی اور تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:''ای لاتتبعوا من دون اللہ اولیاء تقلدونھم فی دینکم''......یعنی حلال وحرام بنانے میں بڑوں اور بزرگوں کی تقلید نہ کرو۔''

[حقیقۃ التقلید واقسام المقلدین، ص:۱۴۰]

یعنی اتباع کا معنیٰ تقلید ہے جبھی تو قرطبی، صاحب فتح القدیر اور پشاوری صاحب ''لاتتبعوا'' کا معنیٰ ''تقلید نہ کرو'' کر رہے ہیں۔

(۹)......غیر مقلدین کے استاذ الاساتذہ عبدالغفار محمدی صاحب نے تفسیر عزیزی کی ایک عبارت کا ترجمہ لکھا:

''اس کی اتباع (تقلید) نہ چھوڑے اور......'' [۳۵۰ سوالات، ص:۲۰۳]

محمدی صاحب بریکٹ میں اتباع کا معنیٰ ''تقلید'' کر کے تاثر چھوڑ رہے ہیں کہ اتباع، تقلید کو کہتے ہیں۔

(۱۰)......آل غیر مقلدیت کے مؤرخ محمد اسحاق بھٹی نے ابن حزم کی عبارت میں درج ''بان یتبع'' کا ترجمہ کیا ہے:

''اس کی تقلید کی جاتی۔'' [برصغیر میں اہلحدیث کی آمد، ص:۲۸۳]

یعنی اتباع کا معنیٰ تقلید بتایا ہے۔

(۱۱)......داؤد ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں متعدد آیات سے تقلید کی نفی ہوتی ہے......''فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولاتتبع اھواء ھم''[تحفہ حنفیہ، ص:۱۶۹]

اتباع کی ممانعت کو تقلید کی ممانعت قرار دے رہے ہیں، حیرت ہے یہ لوگ تقلید کی تردید میں اتباع کا معنیٰ تقلید کرتے ہیں لیکن جب کوئی ''واتبع سبیل من اناب الیہ'' آیت سے تقلید کا جواز ذکر کرے تو فوراً کہہ دیتے ہیں اس آیت میں اتباع کا حکم ہے تقلید کا نہیں، اتباع وتقلید میں فرق ہے۔ ''تلك اذاقسمۃ ضیزی''

(**بقیہ** صفحہ نمبر 46 پر)

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ

بھینس کی قربانی......غیر مقلدین کی زبانی

ہندوستان میں قدیم زمانے سے اہل سنت احناف آباد ہیں، غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن خان صاحب نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جب سے ہندوستان میں اسلام آیا ہے اس وقت سے حنفی چلے آرہے ہیں۔[ترجمان وہابیہ، ص:۱۰]

لیکن غیر مقلدین کا گروہ میاں نذیر حسین دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ۔ بمطابق: 1902ء۔ فتاویٰ نذیریہ، ج:۱۔ص:۴۹] سے پہلے نہ تھا، اس کا اعتراف غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لفظ ''وہابی'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل حدیث (غیر مقلدین) پر یہ لفظ حضرت میاں صاحب سے شروع ہوا کیونکہ حضرت موصوف سے پہلے اہل حدیث کا گروہ بحیثیت غیر مقلد ہندوستان میں نہ تھا جن لوگوں کو، ان سے پہلے لوگ ''وہابی'' کہا کرتے تھے وہ مسائل توحید یہ کی وجہ سے کہتے تھے نہ مسائل ترک تقلید کی وجہ سے۔''

[اخبار اہلحدیث امرتسر۔۸ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ]

اس عبارت کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی حفظہ اللہ کی کتاب ''تاریخ ختم نبوت'' ص:۴۳۴ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں جب غیر مقلدین کا گروہ پیدا ہوا تو اس نے اگرچہ کچھ مسائل ائمہ متقدمین کے اختیار کیے لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی گھڑ لیے جن کا وجود خیر القرون، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین میں نہیں ملتا، انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ بھینس کی قربانی کو ناجائز اور بدعت بتلانا ہے۔

عدم جواز کی ابتدا

نعیم الحق ملتانی غیر مقلد، بھینس کی قربانی پر عدم جواز کے فتوی کی ابتدا بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ پر شبہات ڈالنے یا شبہات لگنے کے سلسلہ کو ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری، ورنہ اس سے پہلے یہ مسئلہ امت کے اجماع سے ثابت ہے۔''[مقدمہ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ، ص:۲۲]

یہ تو زمانہ کا تعین ہے، اس کے ساتھ اجماع کی مخالفت کی طرف پہلا قدم کس نے بڑھایا؟ یہ بھی

پڑھتے چلیں۔ نعیم الحق ملتانی ہی لکھتے ہیں:

''میری ناقص معلومات کے مطابق ہندوستانی وپاکستانی علماء سابقین میں سب سے پہلے جس عالم نے صراحت کے ساتھ زیر بحث مسئلہ (بھینس کی قربانی) میں عدم جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے وہ حضرت عبداللہ روپڑی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (غیر مقلد) کی ذات گرامی ہے اور چونکہ بہاولپور کے اندر دینِ حق (ملتانی کی مراد غیر مقلدیت ہے، ناقل) کی اشاعت میں بالواسطہ ان کا بھی حصہ ہے، شاید اسی وجہ سے بہاولپور کے اہل حدیث حضرات کے اکثر عوام وخواص میں بھی یہ مسئلہ عدم جواز سے متعارف ہوگیا۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۶۱]

ملتانی صاحب کی تصریح کے مطابق بھینس کی قربانی کو ناجائز کہنے والے ایک صدی کی پیداوار ہیں، یعنی قریب زمانہ کے لوگ ہیں، یہ لوگ خود ماضی قریب کی پیداوار ہیں، مگر انہیں شوق ہے تقلید کی تاریخ معلوم کرنے کا......اپنی تاریخ پہ بھی نظر ثانی فرمالیں۔

مذکورہ عبارت کے پیش نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عدم جواز کے قائل غیر مقلدوں نے عبداللہ روپڑی کی تقلید کر رکھی ہے اور یہ تقلید بھی دلائل کے خلاف اپنائی گئی ہے۔

بھینس کی قربانی نص قرآنی سے ثابت ہے

عبدالعزیز نورستانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بهيمة الانعام کے عموم پر نظر کرتے ہوئے بھینس کی قربانی کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۵۴]

نعیم الحق ملتانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بھینس باجماعِ امت "بهيمة الانعام" میں داخل ہے اور بهيمة الانعام کی قربانی نص قرآنی سے ثابت ہے۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۷۱]

علی محمد سعیدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''قرآنی نص "بهيمة الانعام" کا لفظ عام ہے جس کے کئی افراد ہیں، گائے، بکری۔ بھینس بھی "بهيمة الانعام" کا فرد ہے۔ "بهيمة الانعام" کی قربانی منصوص ہے تو بھینس کی قربانی بھی نص قرآنی سے ثابت ہے۔'' [فتاویٰ علمائے اہلحدیث، ج:۱۳۔ ص:۷۴]

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عموم "بهيمة الانعام" پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کے لیے علت کافی ہے۔'' [فتاویٰ

ثنائیہ، ج:۱ص:۸۱۰]

بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دینے والے غیر مقلدین بظاہر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا نعرہ لگاتے ہیں، مگر یہاں اطیعوا اللہ کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں......ہم عدم جواز کے قائلین نام نہاد اہلحدیثوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کی تقلید کو چھوڑ کر قرآنی نص کو مان لیں۔

اتباع سنت پر عمل ضروری ہے

نعیم الحق ملتانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ راشد ہیں اور انہوں نے بھینس کو بقر کی ایک نوع قرار دیا ہے اور اسے زکوٰۃ کی سنت میں ہمیشہ کے لیے جاری فرمایا ہے۔ اور اس معاملے میں امت کے اجماع کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز ہدایت یافتہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث...... ''میری اور میرے بعد آنے والے ہدایت یافتہ اچھے خلیفوں کی سنت پر ضرور عمل کرو'' کے مطابق عمل کرتے ہوئے پوری امت نے زکوٰۃ و قربانی کے معاملے میں بھینس کو گائے کی ایک نوع قرار دیا ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۷۳]

ملتانی صاحب اپنی اس عبارت میں بھینس کی قربانی کے جواز کو حدیث وسنت کی پیروی قرار دے رہے ہیں، عدم جواز کے قائلین آل غیر مقلدیت عامل حدیث ہوئے یا تارکِ حدیث؟ ملتانی صاحب ہی اس کا فیصلہ فرمائیں۔

بھینس کی قربانی باجماع امت جائز ہے

قاضی محمد عبداللہ خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بدایۃ المجتہد میں ہے۔ ''تمام علماء کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ سب بھیمۃ الانعام کی قربانی جائز ہے۔'' بھینس، لفظ بھیمۃ الانعام کی تعریف میں آتی ہے، اس لیے اس کی قربانی بھی اجماعاً جائز ہوئی۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۴۳]

نعیم الحق غیر مقلد نے اپنی کتاب ''بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ'' میں بارہا بھینس کی قربانی کے جواز کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے ص:۲۲۔۷۳۔۱۱۹۔۱۲۰۔ وغیرہ۔ ہم ان کی ایک دو عبارتیں بھی نقل کر دیتے ہیں،

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”بھینس بھی پوری امت کے اجماع سے ”بقر“ کی ایک نوع ہے، لہٰذا......کسی بھی شک وشبہ کے بغیر بھینس کی قربانی جائز ہے۔“ [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۲۱]

یہ اقتباس کتاب کے مقدمہ کا ہے، اب کتاب کے آخری صفحات میں سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”الموسوعة الفقهيه ج:۵۔ص:۸۱ میں تو بھینس کی قربانی کے جواز پر امت کا اجماع بھی منقول ہے، جس کی تفصیل (ص:۱۱۹ پر، ناقل) بیان ہوچکی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ اکیلے احناف کا نہیں۔“
[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۲۱۸]

اب اگر غیر مقلدین اجماع کی حجیت کے دعوی میں سچے ہیں تو اس اجماعی مسئلہ کو مان لیں یا پھر دلائل سے اس کے اجماعی ہونے کی تردید کردیں، ورنہ جان لیں کہ اجماع کی مخالفت گمراہی ہے۔ صلاح الدین یوسف غیر مقلد نے تو اجماعی مسئلہ کے انکار کو کفر قرار دیا ہے۔ [تفسیر احسن البیان، ص:۲۵۶]

یہاں ایک اور بات بھی ملحوظ رہے کہ حدیث شریف میں جس جماعت کو نجات یافتہ اور جماعت حقہ کہا گیا ہے اس کے متعلق حدیث ہی میں یہ بھی مروی ہے کہ وہ جماعت قیامت تک ہر زمانہ میں رہے گی...... جب غیر مقلدین کے اعتراف کے مطابق بھینس کی قربانی کا جواز پچھلے ادوار میں اجماعی رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جماعت حقہ بھی باقی امت کے ساتھ اس اجماع میں شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھینس کی قربانی کا جواز ہی حق ہے، اگر یہ حق نہ ہوتا تو کم از کم جماعت حقہ اس کو قبول نہ کرتی۔ اب ہم عدم جواز کے قائل غیر مقلدوں سے عرض کرتے ہیں کہ تمہیں اپنے آپ کو جماعت حقہ قرار دینے کا نشہ سوار تو رہتا ہے، مگر جماعت حقہ کے موقف کو تسلیم تو کرو۔

نوٹ: جماعت حقہ کون سی جماعت ہے؟ اس کے لیے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب ”طائفہ منصورہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

بھینس کی قربانی......اور......سلف صالحین

جامعہ محمدیہ جلالپور پیروالا کے مدرس محمد رفیق اثری صاحب لکھتے ہیں:

”یہ مسئلہ کہ قربانی میں بھینس ذبح کی جاسکتی ہے یا نہیں، سلف صالحین میں متنازعہ مسائل میں شمار نہیں ہوا، چند سال سے یہ مسئلہ اہلحدیث عوام میں قابل بحث بنا ہوا ہے۔“
[پیش لفظ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۹]

اب اگر عدم جواز کے قائل غیر مقلدین، سلفی ہونے کے دعوی میں سچے ہیں تو سلف صالحین کا متفقہ موقف ''بھینس کی قربانی کا جواز'' تسلیم کرلیں، ورنہ اپنے سلفی ہونے پر نظر ثانی کریں۔

اثری صاحب اپنے اسی ''پیش لفظ'' میں مزید لکھتے ہیں:

''فروعی مسائل میں تحقیق حق کے لیے شخصیات سے ہٹ کر نفس دلائل کو دیکھنا پرکھنا اور صحیح نتیجہ اخذ کرنا ہی سلفیین کا شیوہ ہے۔[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۹]

ہم اس عبارت کے پیش نظر بھینس کی قربانی کے عدم جواز کے قائل غیر مقلدوں سے کہتے ہیں کہ اگر آپ واقعۃً سلفی ہیں ہیں جیسا کہ آپ کا دعوی ہے تو شخصیات عبداللہ روپڑی اور عبداللہ بہاولپوری وغیرہ کی تقلید سے ہٹ کر دلائل سے نتیجہ اخذ کریں......اور......دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بھینس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم دلائل نقل کر چکے ہیں۔

بھینس کی قربانی......اور......اہل عرب

غیر مقلدین کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے تعلق کو اہل عرب سے جوڑنے کے درپے ہیں حالانکہ اہل عرب تو بھینس کی قربانی کو جائز کہتے ہیں، چنانچہ سعید مجتبیٰ غیر مقلد فاضل مدینہ یونیورسٹی، ''بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ'' کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنی مصروفیت، وقت کی قلت اور آپ کی طرف سے عجلت کے پیش نظر صرف دو حوالہ جات پیش نظر ہیں، ان سے واضح ہوگا کہ متاخرین عرب اہل علم بھی الجاموس کو البقر کی قسم شمار کرکے اس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں۔''[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۷]

نعیم الحق غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دورِ جدید کے ایک اور مشہور عرب عالم فضیلة الشیخ عبدالعزیز المحمد السلمان جو معہد امـــام الـــدعـوـة ریاض سعودی عرب میں مدرس رہ چکے ہیں، جن کے متعلق فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار حماد فاضل: مدینہ یونیورسٹی آف میاں چنوں ضلع خانیوال نے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ بہت نیک اور سلفی آدمی تھے۔ وہ ''الاسئلة والاجوبة الفقیهیه المقرونة بالادلة الشرعیه'' ج:۳،ص:۹ میں لکھتے ہیں:......بیت اللہ والی قربانی اور عیدالاضحیٰ والی قربانی کے جواز، عمر اور سات آدمیوں کی طرف سے قربانی میں کافی ہونے کے لحاظ سے بھینس گائے کی طرح ہے، کیونکہ یہ بقر کی ایک نوع ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۸۶]

غیر مقلدین عموماً اپنی تائید میں سعودی علماء کو اپنے زعم میں پیش کیا کرتے ہیں تو عدم جواز کے قائل غیر مقلدوں کو اس سعودی اور سلفی عالم کا یہ موقف قبول ہے جو نص قرآنی کے عموم اور اجماع سے بھی مؤید ہے۔

بھینس کی قربانی کی افضلیت

غیر مقلدین کا ایک گروہ بھینس کی قربانی کے جواز کو تسلیم نہیں کرتا مگر اس کے بالمقابل دوسرا گروہ نہ صرف اسے تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے افضل بھی قرار دیتا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

قاضی محمد عبداللہ خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''قربانی کا جانور جتنا موٹا اور جتنا قیمتی ہوگا اسی لحاظ سے اس کی قربانی بھی افضل ہوگی، فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب ''کشاف الصناع علیٰ متن الاقناع'' میں ہے: ان قربانی کے جانوروں کی ہر قسم سے افضل وہ جانور ہوگا جو زیادہ موٹا اور زیادہ قیمتی ہو، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بناء پر کہ جو شخص اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقوی سے ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان قربانی کے جانوروں کا احترام یہ ہے کہ وہ موٹے ہوں اور پسندیدہ ہوں اور اس میں ان کا اجر بھی بڑا ہے اور ان کا نفع بھی زیادہ ہے۔'' [ص:۶۳۴] چونکہ بھینس عام گائے سے جسامت اور قیمت میں بھی بڑھ کر ہوتی ہے اس کا اجر عام گائے کی قربانی سے افضل ہے۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۴۴]

قاضی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''بھینس گائے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اور جسامت بھی عام گائے سے بڑھی ہوتی ہے اور اس کا نفع بمقابلہ عام گائے کے زیادہ ہے، اس لیے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۴۵]

قاضی صاحب کا اصل فتوی ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۶ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ میں شائع ہے، مذکورہ کتاب میں یہ فتوی اسی الاعتصام سے ہی نقل کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ بھینس کی قربانی کی افضلیت کا فتوی نیا نہیں بلکہ تینتالیس (۴۳) سال پہلے کا ہے۔

بھینس کی قربانی کا جواز......غیر مقلد علماء کی نظر میں

بھینس کی قربانی کو جائز قرار دینے والے غیر مقلد علماء کی عبارات اور فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

۱......نعیم الحق ملتانی، جنھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بہ عنوان ''بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ'' لکھی ہے، یہ کتاب دارالحُسنیٰ سیالکوٹ سے شائع ہوئی ہے، اس کے ۲۲۴ صفحات ہیں، اس کی اشاعت کو

سات سال کا عرصہ بیت چکا ہے، مگر میری معلومات کے مطابق، عدم جواز والے غیر مقلدین ابھی تک اس کا جواب نہیں دے سکے۔

۲......عبدالعزیز نورستانی۔۳......علی محمد سعیدی۔۴......ثناء اللہ امرتسری۔۵......قاضی محمد عبداللہ خانپوری۔۶......محمد رفیق اثری۔۷......سعید مجتبیٰ سعیدی بھی بھینس کی قربانی کو جائز مانتے ہیں، ان کی عبارات، میں اپنے اسی مضمون میں پچھلے صفحات میں نقل کر چکا ہوں۔

۸......غیر مقلدین کے ''محدث العصر'' محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''بھینس بھی بقر میں شامل ہیں، اس کی قربانی جائز ہے۔

[ہفت روزہ الاعتصام، لاہور، ۴ رجب ۱۳۸۸ھ۔ بحوالہ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۳۶]

۹......عبدالقادر حصاری غیر مقلد، ساہیوال لکھتے ہیں:

''بھینس بھینسا کی قربانی جائز اور مشروع ہے، ناجائز لکھنے والے کا مسلک صحیح نہیں ہے۔''

[فتاویٰ علمائے حدیث، ج:۱۳، ص:۷۴۔ بحوالہ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۴۱]

۱۰۔۱۱......جماعت غرباء اہلحدیث کے مفتیان محمد ادریس سلفی، عبدالقہار صاحبان لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ شرعاً بھینس چوپایہ جانوروں میں سے ہے اور اس کی قربانی کرنا درست ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۵۶]

۱۲......غیر مقلدین کے ''مولانا'' احمد اللہ فیصل آبادی لکھتے ہیں:

''میری کئی سالوں کی تحقیق ہے کہ بھینسے کی قربانی جائز ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۵۹]

۱۳......غیر مقلدین کے فتاوی ستاریہ میں بھی بھینس کی قربانی کو جائز کہا ہے، اس سلسلے کا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟ جواب: جائز ہے، چونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے۔'' [فتاوی ستاریہ، ج:۳۔ ص:۲]

شبہات کا ازالہ

اہل علم کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے موقف پر دلائل بیان کرنے کے بعد فریق مخالف کو جواب بھی دیتے ہیں تا کہ ان کے شبہات کا ازالہ ہو جائے، صحیح بات ہے کہ جب تک مخالف کے اشکالات کا تسلی بخش جواب ذکر نہ کیا جائے تو بحث نامکمل تصور ہوتی ہے، اس لیے ہم بحث کی تکمیل کے سلسلہ میں اس تشنگی کو دور

کیے چلتے ہیں۔بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دینے والے جواشکالات وشبہات ظاہر کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر چار سامنے آئے ہیں،ذیل میں وہ اور ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

شبہہ نمبر۱......بھینس بھیمۃ الانعام میں داخل نہیں

بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دینے والوں کا کہنا ہے کہ قربانی کے لیے قرآن میں "بھیمۃ الانعام" کا لفظ ذکر ہوا ہے اور بھیمۃ الانعام میں تین جنسیں یعنی اونٹ،گائے اور بکری داخل ہیں۔اور بعض نے تو دعوی کر دیا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ بھیمۃ الانعام سے مراد یہی تین ہی ہیں۔

الجواب: نعیم الحق ملتانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سابقہ اوراق میں بھینس کا،گائے کی ایک نوع ہونا اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہے،آپ کے بقول جس امت نے بھیمۃ الانعام سے ابل،بقر،غنم مراد لینے پر اتفاق کیا ہے اسی امت نے اپنے اجماع سے بھینس کو گائے کی ایک نوع قرار دیا ہے۔ایک اجماع کا اقرار اور دوسرے کا انکار کیوں؟''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۲۰]

شبہہ نمبر۲......بھینس کی قربانی رسول اللہ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں

اس سلسلہ میں مشہور ترین اور خالی الذہن لوگوں کو متاثر کرنے والا ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ بھینس کی قربانی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں،اس لیے ناجائز ہے۔

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بھینس کی قربانی کا عدم ثبوت اس کے مسنون ہونے کی نفی تو کرسکتا ہے جواز کی نہیں،کیونکہ جواز تو قرآن کی آیت بھیمۃ الانعام کے عموم سے ثابت ہے،بھینس کی قربانی کو تسلیم کرنے والے اسے مسنون کہنے کی بجائے جائز ہی کہتے ہیں۔

چنانچہ نعیم الحق ملتانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بھینس کی قربانی چونکہ قربانی کے اصولوں پر فٹ ہے لہٰذا مسنون نہ سہی مگر جائز اور قرآنی نص "بھیمۃ الانعام" کے عموم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے منصوص ضرور ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۲۲]

عبدالقادر حصاری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''باقی رہی یہ بات کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،سنت صحابہ نہیں ہے تو (یہ) جواز کو مانع نہیں

ہے۔ دیکھئے ریل، جہاز، سائیکل، کار، موٹر وغیرہ کا وجود عہد نبوی میں نہ تھا، ان کی سواری نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور نہ سنت صحابہ کی ہے۔ تاہم یہ چیزیں عموم کے تحت آجاتی ہیں اور علماء اسلام ریل، موٹر سائیکل وغیرہ پر سوار ہوں گے یا اونٹ گھوڑے، گدھے پر سوار ہوں گے۔ نیز نماز کی اذان عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند مقام پر پڑھی جاتی تھی اور اس وقت لاؤڈ سپیکر نہ تھا لیکن اب مسجدوں کے اندر لاؤڈ اسپیکر نصب ہیں اور اذان مسجد کے اندر کہی جاتی ہے، پہلا مسنون طریقہ اور دوسرے مروجہ کو جائز کہا جائے گا۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ بکری، گائے کی قربانی مسنون ہے اور بھینس، بھینسا کی قربانی جائز اور مشروع ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۴۱......فتاوی علمائے حدیث، ج:۱۳، ص:۴۷]

الجواب نمبر۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے تو بھینس کا دودھ پینا اور اس کا گوشت کھانا بھی ثابت نہیں تو پھر آپ اپنے اصول کے مطابق ان دونوں کو بھی حرام قرار دے دیں، یا پھر قربانی کے جواز کو تسلیم کر لیں۔

غرباء اہلحدیث کے ''مفتی'' عبدالقہار صاحب لکھتے ہیں:

''بھینس، گائے کی جنس ہے، گائے کی قربانی جائز ہے اس لیے بھینس کی قربانی جائز و درست ہے، اس دلیل کو اگر نہ مانا جائے تو گائے کے ہم جنس بھینس کے دودھ اور اس کے گوشت کے حلال ہونے کی بھی دلیل مشکوک ہو جائے گی۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۵۶]

لطیفہ

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد کی بھی یہی رائے ہے کہ بھینس کی قربانی نہیں کرنی چاہیے۔ [رسائل بہاولپوری، ص:۱۴۲] مگر اس کے دودھ اور گھی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ساری زندگی اپنے گھر میں بھینس رکھی، چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے:

''زندگی بھر انہوں نے ہمیشہ بھینس رکھی، دودھ اور دیسی گھی کے سلسلہ میں بڑے ہی باذوق انسان تھے، بلکہ بھینس ان کی کمزوری تھی، اچھی بھینس کی پیشکش کر کے ان کو دور دراز کے سفروں پر بھی احباب آمادہ کر لیتے۔'' [خطبات بہاولپوری، ج:۱۔ص:۲۸۔ رسائل بہاولپوری۔ص:۲۰]

اگر بھینس کی قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں تو اس کا دودھ اور مکھن کہاں ثابت ہے؟ قربانی کو ناجائز کہنا اور دودھ و مکھن کو حلال جاننا ''بوٹیاں حرام اور شوربا حلال'' والی مثال کو دہرانا ہے۔

ایک اور لطیفہ

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی غیر مقلد نے بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے ایک فتوی لکھا، اس کے آخر میں کہا ''البتہ کسی کا جی چاہے تو عام دنوں میں بھینس کے گوشت سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۶۹]

قربانی ناجائز اور گوشت سے استفادہ جائز۔ ایسا کیوں؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بھینس کی قربانی کی طرح اس کے گوشت سے نفع حاصل کرنا دونوں ثابت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے لفظ ''استفادہ'' کے بعد ''حاصل'' لکھ کر کیا تاثر دیا ہے؟ ہم اس پر اپنا تبصرہ کریں تو شاید ڈاکٹر صاحب ناراض ہو جائیں اور تقلید کو گالیاں دینے لگیں اس لیے ہم ان کے ہم مذہب نعیم الحق ملتانی غیر مقلد کا یہاں تبصرہ نقل کرتے ہیں۔ ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

''شاید استفادہ کے ساتھ ''حاصل'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا علم محض لوگوں پر رعب جھاڑنے کے لیے ورنہ عربی مدرسہ کی تیسری کلاس کا صحیح طالب علم ہر حال میں جانتا ہے کہ باب ''استفعال'' کے اندر حصول کا معنیٰ پہلے ہی موجود ہوتا ہے، ڈاکٹر صاحب کو اس کے اظہار کا تکلف کرنے اور اپنے فتوی کو علمی دنیا کے سامنے بے وزن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۷۲]

تقلید کو جہالت اور مقلد کو جاہل قرار دینے والے نام نہاد محقق کس قدر جاہل ثابت ہو رہے ہیں۔

الجواب نمبر ۳

مخالف فریق کو اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کے معاملہ میں بھینس کا حکم گائے والا ہے، مثلاً اگر تیس عدد گائے پر ایک گائے زکوٰۃ بنتی ہے تو جس کے پاس تیس بھینسیں ہوں اس پر ایک بھینس بطور زکوٰۃ دینا لازم ہے...... حالانکہ جس طرح بھینس کی قربانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت نہیں، اس طرح بھینس کی زکوٰۃ، گائے کے نصاب پر یہ بھی ثابت نہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ عدم ثبوت میں برابری کے باوجود قربانی کو تسلیم نہ کرنا بلکہ اسے بدعت قرار دینا اور زکوٰۃ کو مان لینا......؟

نعیم الحق ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

''کسی چیز کے صحابہ کے دور میں عدم وجود سے عدم جواز بھی ضروری نہیں، مثلاً ریل گاڑی و دیگر جدید سواریاں مسنون نہیں مگر قرآن مجید کے عموم ''ویخلق مالا تعلمون [النحل] اور اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بنائے گا جن کو تم نہیں جانتے۔'' کے تحت جدید سواریوں پر سواری کرنا ہر ایک عالم نے جائز قرار دیا ہے، اسی طرح بھینس کا زکوٰۃ کے معاملہ میں ذکر نہیں تھا مگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں تو آپ بھی بھینس کو گائے کے حکم میں

شامل سمجھتے ہیں۔فتاوی اہلحدیث، ج:۲۔ص:۱۹۷'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۲۳]

ملتانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''جہاں تک مسنون وغیر مسنون کا تعلق ہے تو بھینس کا حکم نہ زکوۃ میں مسنون ہے اور نہ قربانی میں۔زکوۃ میں قبول کرنا اور قربانی میں قبول نہ کرنا آخر کیوں؟'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۶۴]

ملتانی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''یہی بات میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی اور ان کے ہم خیال حضرات سے (بطورِ الزام، ناقل) کہتا ہوں کہ بھینس کی زکوۃ کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے نہیں ملتا، لہٰذا زکوۃ کے معاملہ میں بھینس کا، گائے والا نصاب مقرر کرنے سے اجتناب بہتر ہے (اور اسے عام مال تجارت میں شامل کیا جائے) تا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہو سکے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۶۹]

شبہہ نمبر۳......بھینس کی قربانی بدعت ہے

ایک اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ بھینس کی قربانی جب عہد نبوی اور عہد صحابہ سے ثابت نہیں تو اب سے جائز کہنا شریعت کے بند دروازے کو کھولنا اور بدعت کو ایجاد کرنا ہے۔

الجواب: نعیم الحق ملتانی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت نے جن دروازوں کو بند کیا ہے ان کو کھولنا بدعت ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت نے جہاں وسعت اختیار کی ہو اسے تنگ کرنا بھی ظلم ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے......خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔آسانی کرنا تنگی نہ کرنا [بخاری] اب بھیمۃ الانعام کے عمومی عرف کو بلا دلیل......خاص کرنا کھلے دروازے کو بند کرنا ہے۔سچ ہے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے......جو ہمارے دینی معاملہ میں ایسی چیز ایجاد کرتا ہے جو اس میں نہیں وہ مردود ہے۔[بخاری ومسلم] جب بھینس قرآنی نص ''بھیمۃ الانعام'' میں داخل ہے تو پھر اس کے احکام کیسے بدعت ہو سکتے ہیں؟ جب کہ زکوۃ میں تو آپ نے بھی یہ بدعت قبول کی ہے۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۲۹۔۱۳۰]

اسی طرح اس کے دودھ وگوشت کو حلال جاننا بھی مخالف کے اصول کے مطابق بدعت اور شریعت کے بند دروازے کو کھولنا ہوگا۔

بھینس کی قربانی کو بدعت کہنا اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ اس کا جواز باجماع امت مسلّم ہے اور امت کسی بدعت پر جمع نہیں ہوسکتی۔

شبہہ نمبر۴......بھینس کی قربانی کا جواز غیرمحتاط عمل ہے

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں بھینس کو گائے کے حکم میں شامل کرنا احتیاطی عمل ہے اور قربانی میں شامل نہ کرنا احتیاطی پہلو ہے۔قابل عمل احتیاط والی صورت ہے۔لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ قربانی سے پرہیز کیا جائے۔

الجواب: نعیم الحق ملتانی صاحب غیرمقلد لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ جو مولانا روپڑی نے فرمایا ہے معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی بھینس کو قربانی میں شمار کرنے اور زکوٰۃ میں شمار نہ کرنے میں احتیاط ہے۔جس کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ قربانی کے لیے قرآن مجید میں عمومی نص ''بھیمة الانعام'' موجود ہے اور میری ناقص معلومات کے مطابق زکوٰۃ میں اس طرح کی واضح نص قرآنی موجود نہیں۔اور بھینس ''بھیمة الانعام'' میں شامل ہے، اب ظاہر ہے کہ نص (واضح کلام) مجمل (غیرواضح کلام) سے افضل ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ جس حدیث میں گائے کی زکوٰۃ کا بیان ہے اس کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے، اگرچہ جانب صحت ہی راجح ہے۔جبکہ قربانی کے معاملہ میں قرآنی نص ہے۔مگر ایک چیز کی صحت میں اختلاف کا ہونا اس کی حیثیت کو اتفاق کے مقابلہ میں کمزور ضرور کردیتا ہے اگرچہ اسے امت کی اجماعی عملی تائید بھی حاصل ہے۔

تیسری وجہ: جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے جانوروں کی تفصیل بیان فرمائی وہاں ''فی الغنم فی سائمتھا۔یعنی بھیڑ بکری میں سے باہر چرنے والے جانور'' کے محدود الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔[بخاری کتاب الزکوٰۃ۔باب زکوٰۃ الغنم] جبکہ قربانی کے متعلق ''بھیمة الانعام'' کا لفظ عام ہے۔زکوٰۃ خاص میں بھینس کو شامل کرلینا اور قربانی عام میں شامل نہ کرنا کونسی دانشمندی کی بات ہے؟ گویا امت نے بھینس کی زکوٰۃ والے کمزور پہلو میں شامل کرکے اسے قوی بنادیا ہے اور قربانی والا پہلو پہلے ہی نص قرآنی کے عموم کی وجہ سے قوی تھا، اسی وجہ سے امت نے اس طرف زیادہ زور دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۶۵]

بھینس کی قربانی تسلیم نہ کرنا خطرناک جرم ہے

ہم نے مثبت و منفی دونوں اعتبار سے ابحاث نقل کردی ہیں، جن سے یقینی طور پر یہی چیز سامنے آتی ہے کہ ازروئے دلائل بھینس کی قربانی کو جائز کہنا ہی درست ہے، اب ہم اس کے منکر کا حکم نقل کرتے ہیں۔

نعیم الحق ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

''اپنے محدود وسائل میں الحمدللہ میں نے ائمہ لغت وائمہ فقہاء کے اجماع سے بھینس کا، گائے کی ایک نوع ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ: ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ [ترمذی۔ ابواب الفتن، باب فی لزوم الجماعة] لہٰذا اب اگر کوئی علم آجانے کے بعد عناد کی صورت میں مخالفت کرے گا تو وہ حق بات کو جھٹلائے گا جو ایک خطرناک جرم ہے۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۱۱۹]

افسوس ہے کہ حق بات کو جھٹلانے اور خطرناک جرم کے ارتکاب والی صورت ابھی بھی آل غیرمقلدیت میں جاری ہے۔ بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دینے والے ابھی تک تشدد برتے ہوئے ہیں، جس کے نتیجہ میں لوگوں کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ نعیم الحق ملتانی صاحب کا بھی راتوں کا سکون غارت کر دیا گیا تھا، جیسا کہ انہوں نے خود ہی اس سے آگاہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''۱۳ اپریل ۱۹۹۸ء کا جمعہ بہاولپور بھٹہ نمبر ۳ والی مسجد میں پڑھانے کا اتفاق ہوا جس کے کچھ دنوں بعد ہی عیدالاضحیٰ کی آمد آمد تھی، اس خطبے میں جہاں قربانی کے دیگر احکام بیان کیے وہاں مسئلہ مذکورہ (بھینس کی قربانی کا جواز) کو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ کچھ دلائل سے بیان کیا، مگر اس بار ناپسندیدگی اور ناراضگی میں پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ شدت تھی جس کی وجہ سے تقریباً راتوں کا سکون تک جاتا رہا۔''

[مقدمہ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ ص:۲۱]

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیرمقلدین فروعی مسائل میں کس قدر متشدد ہیں۔

بھینس کی قربانی......اور......زبیرعلی زئی

غیرمقلدین کے مشہور مصنف زبیرعلی زئی مماتی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے، اس بات پر ائمہ اسلام کا اجماع ہے...... تاہم چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے صراحتاً بھینس کی قربانی کا ثبوت نہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے......اسی میں احتیاط ہے۔

[فتاوی علمیہ، المعروف توضیح الاحکام ج:۲۔ ص:۱۸۱۔۱۸۲]

ہم زبیرعلی زئی صاحب کو جواب دینے کی یہاں ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے دلائل کا تحقیقی

والزامی جواب پچھلے صفحات میں نعیم الحق ملتانی وغیرہ غیر مقلد علماء کی زبانی بیان کر چکے ہیں۔البتہ ان سے چند باتیں دریافت کرتے ہیں۔

۱......جب آپ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ بھینس باجماع امت گائے کی قسم ہے اور گائے کی قربانی شریعت میں ثابت وجائز ہے تو آپ اسے کھل کر جائز کیوں نہیں کہتے؟

۲......آپ لکھتے ہیں: ''بہتر یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے۔'' اسی طرح کی بات ڈاکٹر ابو جابر دامانوی صاحب غیر مقلد نے کی ہے کہ ''اجتناب بہتر ہے۔'' تو کیا یہ گول مول بات نہیں؟ یعنی نہ تو صاف طور پر اسے جائز لکھا اور نہ ہی واضح لفظوں میں اسے ناجائز کہا ہے۔یہاں تک کہ نعیم الحق ملتانی صاحب غیر مقلد کو وضاحت طلب کرنا پڑی۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اجتناب بہتر ہے، کے الفاظ یا تو شک کا اظہار ہے یا جواز کا اشارہ دے رہے ہیں، اگر شک ہے تو تحقیق کے بغیر کیوں فتوی صادر فرمایا گیا؟ اور اگر ذہن جواز کا قائل ہے تو اسے کیوں چھپایا گیا؟''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۲۹]

۳......آپ کے رسالہ ماہنامہ ''الحدیث'' کی پشت پر اغراض ومقاصد میں یہ دعوی کیا گیا ہوتا ہے کہ ''سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار'' اس کے ساتھ یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے۔جبکہ سلف صالحین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بھینس کی قربانی جائز ہے۔چنانچہ محمد رفیق اثری صاحب غیر مقلد، بھینس کی قربانی کے جواز کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلف صالحین میں متنازعہ مسائل میں شمار نہیں ہوا، چند سال سے یہ مسئلہ اہل حدیث عوام میں قابل بحث بنا ہوا ہے۔'' [پیش لفظ: بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۱۹]

۴......جس طرح آپ بھینس کی قربانی نہ کرنا بہتر اور احتیاطی کہتے ہیں اس طرح بھینس کے دودھ وگوشت کا حلال نہ ہونا بہتر اور احتیاطی ہوگا؟

آخری گذارش

نعیم الحق ملتانی صاحب اپنی کتاب ''بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''اب جو آدمی اس رسالہ کا جواب لکھنا چاہے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معقول دلائل سے بھینس کو "بھیمۃ الانعام" مسنہ اور نوع البقر سے خارج ثابت کرے اور بھینس کی قربانی کے ناجائز ہونے کی معقول وجہ بتائے۔ورنہ علمی دنیا میں اس کے جواب کی وقعت نہ ہوگی۔''

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ۔ص:۲۲]

پروفیسر خالد شبیر احمد

جناب محمد عمار خان ناصر کی خدمت میں

جناب محمد عمار خان ناصر صاحب کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا نہ ہی ان کے علم و فضل کے خدوخال سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ ان کا علم و فضل میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔ البتہ ان کے والد محترم کی کئی تقریریں سننے کا اعزاز مجھے حاصل ہے اور میں ان کی علمی عظمت کا بھی قائل ہوں۔ جہاں تک ان کی خاندانی عظمت کا تعلق ہے، اسے تسلیم نہ کرنا بھی کوتاہی و کم نظری کے مترادف خیال کرتا ہوں۔

محمد عمار خان ناصر کے ایک مضمون پر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا تنقیدی مضمون میری نظر سے گزرا جس میں انھوں نے جناب عمار خان ناصر کی اس تحریر پر گرفت کی ہے جو انھوں نے قادیانیوں کے بارے میں تحریر کی ہے۔ عمار خان ناصر تحریر فرماتے ہیں:

> ''اگر کسی معاشرے میں کشف والہام انفرادی دائرے سے اٹھ کر ایک باقاعدہ اداراتی صورت اختیار کر چکے ہوں، ان کی بنیاد پر شخصیات اور جماعتوں کے عنداللہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے فیصلے کیے جاتے ہوں، لوگوں کو ان کی طرف دعوت جاتی اور ان کے ساتھ وابستہ ہونے والوں کو نجات کی بشارت دی جاتی ہو، القا والہام کی بنیاد پر مراقبہ وسلوک کے نظام مرتب کیے جاتے بلکہ سیاسی و مذہبی اختلافات میں بھی حق و باطل کی تفریق کرنا ایک عام چلن ہو، جہاں خواب اور بشارات کسی کے مامور من اللہ ہونے کا ایک مستند ذریعہ سمجھے جاتے ہوں، ایسی فضا میں اگر کوئی شخص ''شبانی سے کلیمی دو قدم ہے'' کا نعرۂ مستانہ بلند کر دے اور لوگ اس کے فریب میں مبتلا ہو کر اسے ایک ''امتی نبی'' مان لیں تو انھیں کس حد تک قصور وار ٹھہرایا جا سکتا ہے اور راہ راست پر لانے کی ہمدردانہ کوشش کی بجائے ان کا معاشرتی مقاطعہ کرنے اور قانونی اقدامات کے ذریعے سے انھیں مسلمانوں سے الگ تھلگ کر دینے کو کس حد تک اخلاق، حکمت اور دعوت دین کے تقاضوں کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے؟''

جناب محمد عمار خان ناصر کی مندرجہ بالا تحریر بظاہر بڑی بھولی بھالی، انتہائی مسکین اور عاجزانہ سی نظر آتی ہے، لیکن اگر اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور غور و فکر سے کام لیا جائے تو انتہائی خطرناک، گمراہ کن اور قابل مذمت بھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بے چاری اللہ کی مخلوق ہماری غفلت کی وجہ سے ہم سے کٹ کر الگ ہو گئی، انھیں دعوت حق دے کر ساتھ ملانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی اور ان کے نزدیک مسلمانوں کا یہ رویہ اخلاقی

تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ گویا ان کی نگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو امتی نبی مان لے تو اس بے چارے کا کیا قصور ہے کہ اسے ملت اسلامیہ سے الگ تھلگ کر دیا جائے؟ ان کی اس معصوم خواہش پر تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

قادیانیوں کو دعوت حق دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش پر تو ہمیں اعتراض نہیں ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بڑی شدت کے ساتھ یہ خواہش تھی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے جو اسلام قبول کر کے ملت اسلامیہ کا فرد نہ بن جائے، بلکہ آپ کی یہ خواہش اس قدر شدید ہوگئی کہ آپ اس کے بارے میں متفکر رہنے لگے تو علما بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے کہہ دیا تھا کہ آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔ کوئی اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا، اس بارے میں آپ متفکر نہ رہا کریں کہ اللہ کو ہی علم ہے کہ کس نے اسلام قبول کرنا ہے اور کسے نہیں کرنا۔ عمار ناصر کو بھی اسی انداز میں سوچنا چاہیے کہ یہی اسوۂ حسنہ کا تقاضا ہے۔

اس کا عملی ثبوت بھی ہمارے سامنے ہے کہ جن قادیانیوں نے اسلام قبول کرنا تھا، انھوں نے مشکل حالات میں بھی اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کر لینے کے بعد رد قادیانیت کا دینی فریضہ زندگی بھر سرانجام دیتے رہے اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کرنا تھا، وہ آج تک قادیانی ہیں۔ عمار ناصر صاحب کو قادیانیوں پر اتنا ترس کیوں آ رہا ہے؟ اس ترس اور اس خواہش کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ عبدالرحمٰن مصری کی مثال سے بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ عمر بھر مرزا بشیر الدین محمود کی خرمستیوں کے خلاف علم بغاوت تو بلند کرتا رہا، لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور قادیانی مرا، جبکہ اس کے بیٹے حافظ بشیر احمد نے مرزائیت ترک کی، دہریت کی دہلیز تک پہنچا اور پھر اسلام قبول کر کے عمر بھر دینی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ عمار ناصر صاحب کو اس بات کا کیوں علم نہیں کہ جسے دین اسلام قبول نہیں کرنا، اس کے ساتھ خواہ آپ کتنا ہی مخلصانہ اور مہربانہ رویہ اختیار کر لیں، نتیجہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کو وحی کے ذریعے بتا دیا ہے۔

پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ ہم نے قادیانیوں کو اپنے سے الگ کیا ہے۔ ہم نے نہیں، انھوں نے اپنے آپ کو ہم سے علیحدہ کیا ہے جس کا ہم پر الزام سرے سے درست ہی نہیں ہے۔ تو پھر عمار ناصر صاحب کا یہ واویلا کس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ یہ ان کی اپنی سوچ اور اپنی فکر ہے یا کہیں سے انھوں نے کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے مستعار لی ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ بات اسلام اور مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک بات ہے۔ مرزا غلام احمد سے لے کر آج تک کوئی ایک ایسی بات اگر عمار

ناصر صاحب کے علم میں ہو جس کو بنیاد بنا کر ہم مسلمان انھیں اپنے قریب لا کر دین اسلام کی دعوت دے سکیں تو وہ بتائیں۔ دعوت حق تو اسی وقت دی جائے گی جب دعوت حق کا ماحول باقی رہے گا۔ اگر دعوت حق دے کر انھیں قریب لانا اتنا ہی آسان ہوتا تو ہمارے بزرگ یہ کام کرنا جانتے تھے اور انھوں نے یہ کوشش بھی کی جو رائیگاں گئی۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب بات حد سے گزر جائے تو پھر اس کا دوسرا علاج کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پھوڑا اگر کینسر بن جائے تو اسے جسم سے الگ کرنا ہی پڑتا ہے، ورنہ پورے جسم کے ختم ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ جو کچھ ملت اسلامیہ نے قادیانیوں کے ساتھ کیا، یہی علاج بہتر تھا اور جو کچھ قادیانیوں کے ساتھ ہوا، اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں، قادیانیوں پر عائد ہوتی ہے۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ قومی اسمبلی جس نے انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا، اس کی ساری کارروائی موجود ہے جو میری اس بات کی ایک بین دلیل ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا اور کیوں اختیار کیا کہ کوئی ایسی قدر باقی نہ رہی جس کو بنیاد بنا کر ہم وہ کام کر سکتے جس کی خواہش نے عمار ناصر صاحب کی راتوں کی نیند اور دن کا چین ان سے چھین لیا ہے۔

اگر ان تمام باتوں کے باوجود عمار ناصر صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ممکن تھا، لیکن کیا نہیں گیا تو پھر انھیں ہمارا مشورہ یہی ہے کہ اب وہ خود اس نیک کام کا آغاز کر دیں۔ انھیں کون روک رہا ہے؟ وہ قادیانیوں کے ساتھ معاشرتی، ثقافتی، سیاسی، معاشی تعلقات استوار کرنے کا آغاز کریں۔ کوئی ایسی تنظیم بنالیں تو زیادہ منظّم طریقے سے بھی یہ نیک کام ہو سکتا ہے، لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ یہ کام نہیں کر پائیں گے کہ کہہ دینا تو آسان ہوتا ہے، کر گزرنا مشکل ہے۔

عمار خان ناصر صاحب نے ماہنامہ ''اجتہاد'' کے صفحہ ۸ پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ تو انتہائی قابل اعتراض ہیں جس میں انھوں نے قادیانیت کے خلاف امتناعی قوانین اور توہین رسالت کی سزا کو محض عوامی سطح پر پائے جانے والے جذبات کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ''یک رخے انداز فکر'' کا نتیجہ بتایا ہے۔ میرے خیال میں جب وہ یہ انتہائی قابل اعتراض سطور تحریر کر رہے تھے تو وہ خود اسی جذباتی کیفیت میں مبتلا تھے جس کا وہ ہمیں طعنہ دے رہے ہیں۔ ان کو اس بات کا علم نہیں کہ ''جذبہ'' فی نفسہ کوئی بری بات نہیں بلکہ اچھی شے ہے۔ جذبات سے عاری انسان تو ان صفات کا سرے سے متحمل ہی نہیں ہو سکتا جو شخصیت کی تکمیل اور انسان کہلانے کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جذبہ مثبت ہے یا پھر منفی۔ یہ دونوں پہلو اگر ساتھ ساتھ رہیں تو جذبہ کار خیر کے لیے ایک تحریک پیدا کرتا ہے۔

آزادی کی مثال سے بات مزید واضح ہوتی ہے۔ آزادی کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک منفی اور ایک مثبت۔ منفی

پہلو میں ایک فرد کو کچھ کاموں سے روک دیا جاتا ہے اور مثبت پہلو کے ذریعے ایک فرد کو کچھ کاموں کی آزادی ہوتی ہے۔ اگر آزادی کا منفی پہلو نظرانداز کر دیا جائے تو آزادی مادر پدر آزادی میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کا نقصان پورے معاشرے کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر جذبہ صحیح جگہ پر صحیح کام کر رہا ہے تو پھر جذبہ مضر نہیں رہتا، کیونکہ اس کا مثبت پہلو منفی پہلو پر غالب رہتا ہے۔ ایسا جذبہ معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے اور اگر جذبہ غلط کاموں کا محرک بن جائے یعنی مثبت پہلو سے ہٹ کر منفی پہلو کو پیش نظر رکھے تو پھر جذبہ مضر ہے۔ اس لیے جناب عمار ناصر صاحب کو سوچنا چاہیے کہ اگر مسلمانوں کے جذبات نے انھیں صحیح کام کرنے پر آمادہ کیا ہے تو یہ کام کوئی غلط کام نہیں تھا جسے نشانہ تنقید بنایا جائے۔

حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی کمان ابوجہل کے سر پر مار کر اسے زخمی کر دیا تھا تو وہاں پر بھی جذبہ ہی تھا جو اس کا محرک بنا اور اگر ابوجہل نے اپنے آخری وقت میں اپنا سر قلم کراتے ہوئے یہ کہا تھا کہ سر ذرا اوپر سے کاٹنا کہ سردار کا سر نیزے پر اونچا نظر آئے تو یہاں بھی جذبہ ہی ہے۔ اب دونوں جذبوں میں جو فرق ہے، وہ واضح ہے۔ اس لیے مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف جو کچھ بھی کیا، وہ بھی جذبہ ہی ہے، لیکن یہ جذبہ مثبت ہے، منفی نہیں۔ یہ جذبہ حضرت حمزہؓ سے لیا گیا ہے، ابوجہل سے نہیں۔ یہ سب کچھ محض عوامی جذبات نہیں، بلکہ عالم اسلام اس بات کا معتقد و معترف ہے کہ جو کچھ ہوا، ہونا چاہیے تھا اور قادیانیوں کو ان کی اصل جگہ پر لا کھڑا کرنا ضروری تھا۔ یہ ملت اسلامیہ کی ایک ایسی کامیابی ہے جس پر آنے والی نسلیں ہمیشہ فخر کرتی رہیں گی۔ اب کوئی دعوائے نبوت کرے گا تو اسے پھلنے پھولنے کا وہ موقع میسر نہیں آئے گا جو مرزا غلام احمد قادیانی کو آیا۔ یوسف کذاب کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ یہ انھی امتناعی احکامات کا نتیجہ ہے کہ اب قادیانی اسلامی شعائر کو استعمال کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتے، اس لیے میری ان سے درخواست ہے کہ وہ ان بھولے بھالے قادیانیوں پر ترس کھانے کے بجائے ان بھولے بھالے مسلمانوں پر ترس کھانا شروع کریں جو قادیانیوں کی تخریب کاری سے اب بھی اس طرح محفوظ نہیں جس طرح ہونا چاہیے کہ اب بھی لالچ، دھوکا، فریب کے طریقوں سے قادیانی مسلمانوں کو اپنے چنگل میں پھنسا لیتے ہیں، اگرچہ امتناع قادیانیت آرڈیننس نے ان کے لیے یہ کام بہت مشکل کر دیا ہے کہ اب شکاری، شکاری کے لباس میں ہے، دین کے مبلغ کے لباس میں نہیں۔

قادیانی اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کر کے بھی تبلیغ کر سکتے ہیں جیسا کہ اس غیر اسلامی ریاست میں دوسرے مذاہب کے لوگ کر رہے ہیں۔ ان کو مسلمان بن کر یا مسلمان کہلا کر مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے دینا کس لحاظ یا کس پہلو سے درست ہے کہ آپ امتناعی قوانین کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ آخر میں ہم جناب عمار خان ناصر صاحب کو اپنے خیالات پر دوبارہ سوچنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ ان کی یہ سوچ اکابر کی

قربانیوں اور شہداے ختم نبوت کے خون سے غداری کے مترادف ہے جو ایک دینی گھرانے کو زیب نہیں دیتی۔

آپ نے اپنے رسالے میں بھی کسی کے ایک سوال کے جواب میں جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ بھی آپ کے انھی خیالات وجذبات کا عکس ہے جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ جواب کا وہ حصہ نذر قارئین ہے:

''قادیانی قیادت اور ان کے تاویلاتی جال میں پھنس جانے والے عام سادہ لوح مسلمانوں کے مابین جو فرق حکمت دین کی رو سے ملحوظ رکھا جانا ضروری تھا، وہ نہیں رکھا گیا اور عام لوگوں کو ہمدردی اور خیر خواہی سے راہ راست پر واپس لانے کے داعیانہ جذبے پر نفرت اور مخاصمت کے جذبات نے زیادہ غلبہ پا لیا۔ میرے نزدیک قادیانی گروہ کو قانونی طور پر مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم گروہ قرار دے دیے جانے سے امت مسلمہ کے تشخص اور اس کی اعتقادی حدود کی حفاظت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں کے علما اور داعیوں کی محنت اور جدوجہد کا ہدف اصلاً یہ ہونا چاہیے کہ وہ دعوت کے ذریعے سے ان عام قادیانیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے حوالے سے قادیانی قیادت کا مفاد بھی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقف رہیں اور معلوم نہیں کن ضرورتوں یا مجبوریوں کے تحت ہماری مذہبی قیادت بھی انھیں مسلمانوں سے دور ہی رکھنے کو اپنی ساری جدوجہد کا ہدف بنائے ہوئے ہے۔''

اس پر میں اب کیا تبصرہ کروں! انتہائی افسوس کے ساتھ یہ شعر ہی پیش خدمت ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(بقیہ: زبیر علی زئی کا تعاقب)

(۱۲)......وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ ایک لفظی نزاع ہے جس کو وہ اتباع کہتے ہیں اس کا دوسرے علماء تقلید نام رکھتے ہیں، کیونکہ تقلید بے دلیل بات مان لینے کا نام ہے اور عامیوں کے عمل واتباع میں یہی امر وقوع میں آتا ہے۔''

[اشاعۃ السنہ، ج:۱۱، ص:۳۲۰۔ بحوالہ تجلیات صفدر، ج:۳۔ ص:۵۰۴]

بٹالوی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''امام شافعیؒ نے جو فقہ وحدیث کے مسلم امام ہیں اپنے اس قولِ جدید میں اتباع قولِ صحابہ کا نام تقلید رکھا ہے......حافظ ابن القیم نے جو مسئلہ ترکِ تقلید ناجائز کے بڑے حامی ہیں امام شافعی کے اس محاورہ کو جائز ومسلم رکھا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ متاخرین کی اصطلاح کی پرواہ نہ کر کے ہم اس لفظ تقلید سے متوحش نہیں ہوتے۔'' [اشاعۃ السنہ، ج:۲۳، ص:۱۲۵] (جاری ہے۔۔۔)

قاری محمد عمر فاروق، جہلم

نانا جان رحمہ اللہ......کی یادیں

رات کے آخری پہر گہری نیند سویا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو بڑی ہمشیرہ کی روتی ہوئی آواز کانوں میں پڑی کہ نانا ابو فوت ہو گئے ہیں، اس المناک حادثہ کی خبر جس جس نے سنی ان سب کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی، کسی کے کانوں نے سنا کے ابا جی فوت ہو گئے ہیں، اور کسی کانوں نے استاد جی، تو کسی نے سنا کہ حضرت شیخ صاحب، غرضیکہ یہ ساری باتیں جس شخصیت میں پائی جاتی تھیں وہ ہم سے جدا ہو گئی، دل و دماغ اس خبر کو ماننے پر تیار نہ تھے۔ فوراً گکھڑ ماموں راشد (حضرت کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ) کا نمبر ملایا، ماموں نے سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور روتی ہوئی آواز میں بتایا کہ ابا جی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، پھر تو جیسے ہوش ہی نہ رہا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں! ہاتھ بڑی ہمشیرہ کے سر پر رکھا کہ اور تسلی دیتے ہوئے ان کو چپ کروانے لگ گیا، اسی دوران دماغ فوراً تین دن پہلے نانا جان سے ہوئی آخری ملاقات کی طرف چلا گیا، دل کو تھوڑا سا اطمینان ہوا کہ آج حضرت تو ہم سے رخصت ہو گئے لیکن میں آخری وقت میں اپنے حصے کا خزانہ حضرت کی قیمتی دعاؤں کی صورت میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے آخری ملاقات کا تذکرہ کرنے سے پہلے کچھ یادداشتیں بچپن کی بھی تحریر کرتا چلوں کہ بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے تو ماں باپ کو اس کی پرورش اور اچھی تعلیم کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نامور علمی شخصیات کے خاندان میں پیدا فرمایا، ہمارے گھروں میں تعلیم کی ابتدا قرآن کریم کو یاد کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ یہی سب سے مقدس تعلیم ہے، اس لیے ہوش سنبھالا تو نورانی قاعدہ سے والدہ محترمہ نے ابتداء کروائی، وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ فطری طور پر بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کو پڑھائی سے تھوڑی آزادی ملے اور وہ وقت کھیل کود میں گزرے، لیکن ہمارے گھر کے دینی ماحول میں ایسی آزادی ناممکن تھی، کیونکہ گھر کے ساتھ ہی لڑکیوں کا مدرسہ ''**جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام للبنات**'' تھا۔ (یہ مدرسہ حضرت دادا جی مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت لاہوری رحمہ اللہ] نے

قائم کیا تھا جو آج بھی الحمدللہ ترقی کی منازل کی طرف رواں دواں ہے، بندہ کی والدہ محترمہ اس کی نگرانی فرمارہی ہیں اور دورہ حدیث سمیت سارے اسباق پڑھاتی ہیں، مدرسہ میں زیر تعلیم طالبات کی کل تعداد 500 ہے، اللہ تعالیٰ سے والدہ محترمہ کی لمبی زندگی اور صحت کی دعا ہے۔) صبح اٹھتے ہی والدہ محترمہ اپنے ساتھ مدرسہ لے جاتیں، اور جب سبق سنا لیتا تب چھٹی ہوتی، اور باقی وقت کھیل کود میں گزرتا، گھر کے اندر اور مدرسہ میں کھیل تو لیتے لیکن حضرت والد صاحب (مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ) کا رعب اور محترمہ والدہ صاحبہ کا ڈر ہر وقت کھیلنے کی خواہش کے آڑے آجاتا جو فطری طور پر بچے میں پائی جاتی ہے، یہ شوق تب پورا ہوتا جب ایک دو ہفتے کے لیے گکھڑ جانا ہوتا، پھر تو خوشی کی انتہاء نہ ہوتی تھی، ایک تو نانا ابو، نانی امی، ماموں اور سب کزن ان سے ملنے کی خوشی اور دوسرا پڑھائی کی چھٹی، گکھڑ جانے سے پہلے حضرت والد صاحب کی احتیاطی ہدایات ہوتیں کہ سڑک کی طرف نہیں جانا، اور دونوں بھائی (بندہ اور برادر مکرم مولانا محمد ابوبکر صدیق صاحب مہتم: جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم) اکٹھے رہنا۔ گکھڑ پہنچ کر سب سے ملنے کے بعد پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ گھر کے سامنے والے گراؤنڈ میں کھیلنے نکل جاتے، اور سارا دن کھیلتے اسی دوران اچانک گھر سے پیغام آتا کہ ابا جی سب لڑکوں کو بلا رہے ہیں، گھر میں داخل ہوتے تو نظر آتا کہ سب وضو کر رہے ہیں اور نماز کی تیاری کر رہے ہیں، وضو کر کے پہلے اپنی شلوار ٹخنوں سے خوب اوپر کرتے اور پھر حضرت نانا جی کے کمرے میں داخل ہوتے، کیونکہ اس بات پر اکثر ابا جی کی ناراضگی دیکھنے کو ملتی اور کسی نہ کسی کو ڈانٹ پڑتی رہتی تھی۔ بہر حال کمرے میں داخل ہوتے تو ابا جی کی آواز سنتے کہ آؤ بھائی! نماز لیٹ ہو رہی ہے! (حضرت دادا جان رحمہ اللہ آخر عمر میں گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے مسجد میں نہیں جا سکتے تھے، لہٰذا گھر میں ہی با جماعت نماز ادا فرماتے۔ [خادم، حمزہ]) اس سوال کے بعد کہ سارے آگئے ہو؟ ابا جی فرماتے تکبیر کہو! دل میں یہ خواہش ہوتی تھی کہ میں بھی تکبیر کہوں، لیکن چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ خواہش پوری نہ ہو سکی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ پر جماعت کروانے کا موقع بھی عطا کیا، تو بہر حال جہاں حضرت رحمہ اللہ نے تعلیم و تدریس، تبلیغ و تزکیہ کا فریضہ سرانجام دیا وہاں اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، جہاں کہیں غلطی یا کمی دیکھتے فوراً گرفت فرماتے، اور آپ رحمہ اللہ کی شخصیت اتنی بارعب تھی کہ جیسے ہی مدرسہ نصرۃ العلوم کے اسباق سے فراغت کے بعد گکھڑ اپنے گھر تشریف لاتے تو ہر طرف ایک ہی آواز ہوتی کہ ابا جی آگئے! ابا جی آگئے! کوئی ادھر بھاگ رہا ہوتا، کوئی اُدھر چھپ رہا ہوتا، حالانکہ آپ نے

کبھی ہم پر بے جا سختی نہیں کی، اور مجھے نہیں یاد کہ کبھی اباجی سے ڈانٹ پڑی ہو، یا پٹائی ہوئی ہو، پھر بھی یہ ڈر ہوتا تھا کہ یہ نہ ہو کہ کچھ ہو جائے،، بڑے تو ڈر کے مارے غائب ہو جاتے تھے لیکن ہم کھیلتے رہتے، مجھے یاد ہے کہ دوپہر کو حضرت کا آرام کا معمول تھا، لیکن ہمارے شور وغل کی وجہ سے ان کے آرام میں خلل آتا تھا، تو بڑی نانی امی ہمیں کہتی تھیں کہ جو بچہ دوپہر کو سو جائے گا اس کو ایک روپیہ ملے گا، اس ایک روپے کی خاطر ہم سب بڑے شوق سے سوجایا کرتے تھے، اور پھر اٹھتے ساتھ ہی نانی امی کی تلاش شروع ہو جاتی تھی، پھر ایک روپیہ پا کر ہم بہت خوش ہوتے تھے، وقت گزرتا رہا، اور پھر اچانک پہلے بڑی اور پھر چھوٹی نانی امی کی وفات سے جیسے اس گھر میں بے رونقی سی ہوگئی، لیکن حضرت نانا جان رحمہ اللہ موجودگی ہمیں ایک حوصلہ دیتی تھی، میں نے اپنی زندگی میں نانا ابو کو صرف ایک یا دو دفعہ سخت غصے کی حالت میں دیکھا ہے، پہلے تو ہم بہت چھوٹے تھے، میری کزن یعنی میرے ماموں کی بیٹی کو اباجی سے بڑی عید کے دن گوشت تقسیم نہ کرنے پر مار پڑی تھی، اور دوسرا میری اسی کزن کے والد یعنی ماموں ماجد مرحوم کی وفات پر۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ میں اپنے دوسرے ماموں یعنی استاد الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کے بیٹے مولانا نصر الدین خان عمر کے ساتھ گکھڑ گھر کی چھت پر سویا ہوا تھا، کہ اچانک چھوٹے ماموں (ساجد صاحب) نے اٹھایا کہ ''پاماجد فوت ہو گئے نیں، تے اباجی تو انوں بلاندے پئے نیں'' میں اور عمر یکدم اٹھے تو نیچے صحن سے اباجی کی آواز آئی، نیچے دیکھا تو اباجی سخت غصے کی حالت میں کھڑے کہہ رہے تھے کہ لڑکوں کو بھیجو پتہ کر کے آئیں کہ کیا ہوا ہے؟ کیونکہ ماموں ماجد کی رہائش حضرت کے مکان کے پیچھے دوسری گلی میں تھی، ہم بھاگ کر وہاں پہونچے تو سامنے ماموں کی میت پڑی تھی، ہمیں تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اتنا اچانک کیسے ہو گیا؟ کیونکہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر ایک رات کے لیے حضرت رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے آیا تھا اور ماموں کی بیماری کا تو ہمیں وہاں جا کر پتہ چلا کہ ان کے گردوں میں کوئی تکلیف ہے اور وہ گوجرانوالہ کے ایک ہسپتال میں داخل ہیں، خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ سن کر میں نے سوچا کہ صبح جا کر ماموں کا پتہ کر آؤں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، اور اباجی رحمہ اللہ کے غصے کی وجہ بھی یہی تھی کہ کسی کو خبر ہی نہیں کہ وہ اتنی تشویش ناک حالت میں ہیں اور نہ ہی ان کو کسی نے بتایا تھا، بہر حال اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے۔ آمین۔ ماموں ماجد کے ساتھ ہم سب کزنوں کی بڑی بے تکلفی تھی کیونکہ ان کو سیر وتفریح کا بڑا شوق تھا اور ان کی طبیعت بھی بڑی ہنس مکھ تھی، وہ اکثر سب کزنوں کو اکٹھا کر کے سیر وتفریح کا پروگرام بنایا کرتے تھے۔ لیکن ہمارا سب سے زیادہ پیار ہمارے

ماموں حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ خطیب جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہؒ [گجرات] کے ساتھ ہے، کیونکہ ان ماموں کا میری والدہ محترمہ کے ساتھ بہن بھائیوں میں سے سب سے زیادہ پیار ہے، جس کی بنا پر وہ اکثر جہلم آیا کرتے ہیں۔ اور حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ اکثر مختلف جلسوں میں بھی جایا کرتے تھے اور کبھی کبھار رات ہمارے گھر میں ہی ٹھہرا کرتے تھے اور ہم سب رات دیر تک ماموں کے ساتھ گپ شپ لگایا کرتے تھے، ماموں عبدالحق جب بھی جہلم آتے تھے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ نہ کچھ سامان لایا کرتے تھے، ہم گپیں لگاتے، شرارتیں کرتے اور ساتھ ان چیزوں کا کھایا کرتے تھے، اور جب ہمارے والد حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کو اسوقت کے گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین نے اپنے خلاف تقریر کرنے پر ایک جھوٹے مقدمے میں (جو ''کھاریاں فائرنگ کیس'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں اہل تشیع کے 8 افراد قتل ہو گئے تھے) بے گناہ پھنسایا تو اس وقت ماموں عبدالحق نے تقریباً 6 ماہ جہلم ہمارے گھر میں رہ کر حضرت قاری صاحب کی رہائی کی تحریک میں ایک جان ڈال دی تھی اور مختلف مقامات پر احتجاجی پروگرام منعقد کروائے اور یہ سب ان کی خداداد صلاحیت، دینی اور مذہبی فریضہ، خونی رشتہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت مدنی رحمہ اللہ] کا بھروسہ، حضرت جہلمیؒ [مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ] کا اعتماد عملی طور پر ایسے حالات سے واقفیت ہمارے گھر اور حضرت والد صاحب سے گہرا تعلق اور سب سے بڑھ کر حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت عطا کی اور تمام دعا گو احباب کی دعاؤں کی بدولت حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی بے گناہی ثابت ہوئی اور وہ باعزت بری ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال ماموں جان کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور ان کو صحت کاملہ عطا فرمائیں، ان کا سایہ دیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ آمین۔

یہ سب واقعات لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہمارے بڑوں نے دین کی خاطر محنت کی اور قربانیاں دی، جیلیں کاٹی، یہی سبق وہ ہمیں پڑھا کر گئے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اپنے بزرگوں کے اس مشن کا، اس عقیدے کا، اس مسلک کا تحفظ کریں گے اور اس کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور یہی پیغام ہماری آنے والی نسلوں کے لیے بھی ہے اور اسی میں کامیابی اور نجات ہے، اللہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو مسلک حق اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند پر تا قیامت کاربند رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے اکثر بستر علالت پر ملاقات ہوا کرتی تھی، کبھی اکیلے اور کبھی حضرت

والد ماجد کے ساتھ، جب بھی ملاقات ہوتی چند مخصوص سوالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مثلاً آج کل کیا کر رہے ہو؟ جامعہ میں کتنے طلباء ہیں، دورہ حدیث میں کتنے طلباء ہیں؟ بخاری شریف کون پڑھاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ حضرت نانا جی رحمہ اللہ ایسی شخصیت تھے کہ بستر علالت پر بھی ان کو فکر تھی دین کی، فکر تھی تعلیم کی، فکر تھی عقائد کی، فکر تھی مسلک کی، فکر تھی تربیت کی اور فکر تھی دینی مدارس کی، اور یہ دینی مدارس کہ جن کے لیے حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ اور ان جیسی دوسری شخصیات نے دعائیں کی ہوں، دنیا کی کوئی طاقت قیامت تک ان کو ختم نہیں کر سکتی، ۔ان شاء اللہ العزیز۔

اب میں اس تحریر کو وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اس کا تعلق ٹوٹا تھا، حضرت شیخ سے آخری ملاقات بھی میرے لیے بڑی سعادت تھی چونکہ یہ حضرت کی وفات سے صرف تین دن پہلے ہوئی، وہ بھی اس طرح کہ جمعے کے لیے تیاری کر رہا تھا اور مطالعہ میں مصروف تھا کہ برادر مکرم مولانا ابوبکر صدیق صاحب کا فون آیا کہ ہمارے جامعہ سے وابستہ کچھ شہری حضرات حضرت شیخ کی عیادت وزیارت کے لیے گکھڑ جانا چاہتے ہیں، تو اگر آپ ساتھ چلے جاؤ تو مناسب ہے، اس لیے کہ ایک تو تمہاری بھی ملاقات ہو جائیگی اور دوسرا ان احباب کو بھی ملاقات میں آسانی ہوگی!! میں نے ایک لمحہ کے لیے سوچا کہ ابا جی سے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد میری ملاقات نہیں ہوئی، (حضرت والد صاحب حضرت شیخ کی وفات سے دو ماہ پہلے سالانہ تبلیغی دورے کے دوران اچانک بیمار ہوئے اور دو دن بیمار رہنے کے بعد برمنگھم کے ایک ہسپتال میں انتقال فرما گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔) موقع اچھا ہے، ملاقات بھی ہو جائیگی، زیارت بھی اور ساتھیوں کے لیے آسانی بھی، تو میں نے برادر مکرم سے کہا کہ میں تیار ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک تو انور شاہ صاحب ہیں اور ان کے ساتھ دو یا تین ساتھی اور ہوں گے اور شاہ صاحب اپنی گاڑی جمعہ کے بعد یہاں لے آئیں گے، جہاں پر میں جمعہ پڑھاتا ہوں انور شاہ صاحب کا گھر بھی وہیں پاس ہی ہے اور یہ حضرت دادا جی رحمہ اللہ کے قریبی ساتھی سید فیض علی شاہ صاحب کے فرزند ہیں، اکابر کے ساتھ خصوصی محبت رکھتے ہیں اور جامعہ کے بھی مخلص معاون ہیں۔ اور جامعہ کے ساتھ مختلف مواقع پر ہر قسم کا تعاون بھی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ شاہ جی نے جمعہ میرے پیچھے ہی پڑھا، اور جمعے کے بعد ہم گکھڑ روانہ ہوئے، گکھڑ پہنچ کر میں ان کو بیٹھک میں بٹھایا اور خود اندر چلا گیا، ماموں عزیز الرحمٰن شاہد صاحب جو آج کل سعودیہ میں

قیام پذیر ہیں ان سے ملا اور نانا جان کے کمرے میں چلا گیا، نانا ابو چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے ان کے پاس کچھ ملنے والے احباب اور ماموں راشد، میر لقمان، اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب موجود تھے۔ قریب ہو کر سلام کے بعد اپنا تعارف کرایا، کہ ابا جی عمر، جہلم سے! تو ابا جی نے نہایت کمزور سی آواز میں خیریت دریافت کی، گھر والوں کا حال پوچھا اور پھر میری طرف دیکھتے رہے، پھر امی جی کا پوچھا اس وقت میں ابا جی آنکھوں میں آنسو دیکھے، میں فوراً سمجھ گیا کہ ابا جی کو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی یاد آ گئی ہے، اسی دوران میرے رفیقِ سفر حضرات جن کی بدولت مجھے نانا ابو سے ملنے کا شرف حاصل ہو رہا تھا اندر داخل ہوئے، ان حضرات کا حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے تعارف کرایا اور یہ حضرات مصافحہ کے بعد حضرت کی چار پائی کے پاس ہی نیچے بیٹھ گئے اور میں سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا، اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے مجھے کرسی دی اور کہا کہ اس پر بیٹھ جائیں، میں سرہانے کی طرف بیٹھ گیا، ڈاکٹر صاحب گلاس میں جوس لائے، نانا ابو کو پینے کے لیے دیا تو انہوں نے انکار کر دیا، ڈاکٹر صاحب مجھے کہنے لگے کہ حضرت کچھ بھی نہیں کھا رہے، نقاہت بڑھتی جا رہی ہے، آپ درخواست کریں تو شائد تھوڑا سا جوس پی لیں، میں نے عرض کیا کہ ابا جی! تھوڑا سا جوس پی لیں، پہلے ہاتھ کے اشارے سے منع فرما دیا، پھر مڑ کر میری طرف دیکھنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حضرت! عمر صاحب بھی کہہ رہے تھوڑا سا پی لیں! تو ابا جی نے دو گھونٹ نوش فرمائے، یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، اور اس سے ان بزرگوں کی بچوں سے محبت اور شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس وقت بھی میں نے ابا جی کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھا، میرا دل بھی غمگین ہو گیا، دل سے ابا جی کی لمبی زندگی کی دعا نکلی، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد ابا جی سے اجازت لی، ابا جی کافی دیر میرا ہاتھ تھامے مجھے دیکھتے رہے، پھر میں نے دعا کی درخواست کی، ابا جی نے میرا ہاتھ چھوڑا اور اسی ہاتھ سے مختصر سی دعا فرمائی، پھر سب احباب نے مصافحہ کیا اور ہم جہلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سارا رستہ ہم اپنے بزرگوں کی باتیں کرتے رہے۔ ٹھیک تین دن بعد اس المناک حادثہ کی اطلاع ملتے ہی میری آنکھوں میں ابا جی کا غمگین چہرہ گھوم گیا۔

برادر مکرم مولانا محمد ابوبکر صدیق سے رابطہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت رات کے 2 بج رہے ہیں باقی گھر والوں کو یہ افسوسناک خبر صبح دینا اور پھر آپ ان کو لیکر گکھڑ چلے آنا، نماز کے فوراً بعد میرے عزیز دوست جناب فرخ امین بٹ صاحب اپنی گاڑی لیکر آ گئے اور ہم گکھڑ کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ

کر جو منظر دیکھا، وہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا، ہر چیز اداسی کی تصویر بنی ہوئی تھی، چہار سو ایک عجیب سی خاموشی تھی، کبھی کسی عزیز کا اباجی فرقت میں سسکیاں لینا یا کسی شاگرد کا روتے ہوئے یہ کہنا میرے استاد جی! مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ یا کسی مرید کا اپنے شیخ کی جدائی میں آہ بھرنا اس منظر کو اور بھی دلدوز بنا دیتا تھا، بہر کیف یہ تو حکم ربی تھا، اس کو تو کوئی ٹال نہیں سکتا، ان کا وقت مقرر تھا، انہوں نے اپنے مقررہ وقت پر ہم سب کو یوں اداس اور روتا ہوا چھوڑ کر جانا تھا۔ظہر کی نماز کے بعد اباجی کو غسل دیا گیا غسل دینے کی سعادت پانے والے خوش نصیبوں میں ماموں قارن[مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ]، مولانا محمد حسن مدظلہ، [لاہور]، مولانا ریاض خان سواتی مدظلہ، مولانا منہاج الحق خان راشد اور میرے کزن مولانا محمد داؤد خان نوید شامل تھے۔غسل کے بعد گھر کے صحن میں رشتہ دار خواتین کو زیارت کرائی گئی، اور پھر وہ گھڑی آگئی جو کسی بھی گھر والوں کے لیے دل میں ایسا درد چھوڑ جاتی ہے جو مرتے دم تک ساتھ رہتا ہے، اس گھر میں ایک طویل عرصہ سے بسنے والا مکین سب کو بلکتا چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا تھا، ماموں عبدالحق کے حکم پر چارپائی اٹھالی گئی، بانس باندھنے کے بعد گراؤنڈ پہنچے، وہاں پہنچ کر میں چارپائی سے جدا ہو گیا، پھر رش میں کچھ ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو ایک درخت کے نیچے خود کو تنے سے ٹیک لگایا ہوا پایا، کچھ احباب پانی پلا رہے تھے، کچھ اپنے رومال سے ہوا جھول رہے تھے، جسم کے مختلف حصوں پر درد کی شدت محسوس ہوئی، لیکن ہمت کر کے سٹیج کی پچھلی سائیڈ پر پہونچنے میں کامیاب ہو گیا، مختلف علماء کی تقاریر کا سلسلہ جاری تھا، کہ اچانک ماموں زاہد[مولانا زاہدالراشدی مدظلہ] نے مائیک ہاتھ میں لے کر تکبیر بلند کی اور نمازِ جنازہ شروع کرادی، نمازِ جنازہ سے فراغت کے بعد میت ایک گاڑی میں قبرستان لے جائی گئی، اور لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں آپ کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا۔یوں نصف صدی سے زائد قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنے والا بلند پایہ محدث، مسلک حقہ کا دفاع کرنے والا عظیم جرنیل، علم وعمل کا جامع بلکہ سراپا علم، طریقت وسلوک کا سورج غروب ہو گیا۔میں شکر گزار ہوں اپنی والدہ مکرمہ اطال اللہ عمرہا کہ ان کی دعائیں اور اپنے ماموں زاد بھائی سرفراز حسن خان حمزہ کا کہ جن کی مسلسل یاددہانیاں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں یہاں تک کہ یہ تحریر مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو تادم آخر صحیح مسلک، صحیح عقیدے پر کاربند رہنے اور اس کا اپنے اکابر کی طرز پر تحفظ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا احسن خدامی
مدیر مسئول: مجلّہ صفدر گجرات

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَه

خبر کیا تھی؟ بجلی کا جھٹکا تھا، جس نے سنا سکتے میں رہ گیا، ایک زلزلہ تھا جس نے دل ودماغ کو ہلا ڈالا، ایک سیلاب کا ریلا تھا جس میں امیدوں اور آرزؤں کا تاج محل ڈوبتا چلا گیا۔ کیا ہوا؟ وہی ہوا جو بے انصافی اور ظلم کے اس جنگل میں سچ کہنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے، جھوٹ اور فریب کے علمبرداروں نے سچائی کے پرستار کو خاک وخون میں تڑپا ڈالا، ہمیشہ حق کہنے والی زبان کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا، امت کے درد میں تڑپنے والے دل کو تڑپا تڑپا کر ٹھنڈا کر دیا گیا، شیخ لدھیانوی کی مسند پھر ویران ہوگئی، قبرستانِ شہداء میں پھر شادی کا سماں ہوا، شہید استاد نے اپنے باوفا شاگرد کو سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت پر مرحبا کہا، ''بینات'' کی ادارت کا قلمدان شیخ بنوری وشیخ لدھیانوی کی جدائی کے بعد پھر ایک مرتبہ غم واندوہ کی تصویر بن گیا، شہداء کا امین مدرسہ ''بنوری ٹاؤن'' سکتے کی سی کیفیت میں رہ گیا۔ لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہنے والا دیوبند کا سپاہی جسے آبروئے دیوبند کہا جاسکتا تھا، اس دارِفانی کو چھوڑ کر نعم الدار کی جانب منتقل ہوگیا۔

آپ کی جدائی پر اگر اپنے جذبات واحساسات کو قلمبند کرنا شروع کروں تو شاید بات دور نکل جائے، اس لیے اپنے جذبات کو ضبط کر کے چند باتیں حوالۂ قلم کرتا ہوں تا کہ آپ کے چاہنے والوں کی صف میں نام شامل ہوجائے، شاید کہ روز قیامت کام آئے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ سے غالبًا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا، میں اس محفل میں موجود نہیں تھا، جب خبر سنی تو دل بے اختیار آپ کی محبت وعقیدت سے معمور ہوگیا اور تا شہادت بحمداللہ اس محبت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ چند مرتبہ آپ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ان کی تواضع اور عاجزی سے بہت متاثر ہوا۔ ایک مرتبہ چناب نگر ختم نبوت کانفرنس میں والدِ گرامی (مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ) کے ہمراہ حاضری ہوئی، اوپر والے مہمان خانہ میں گئے تو ایک کمرے میں حضرت شہید رونق افروز تھے، والد صاحب کو دیکھ کر اٹھنے لگے، والد صاحب نے آپ کو اٹھنے سے روکنا چاہا مگر

نہیں مانے اور بھاری جسم اور گھٹنوں میں تکلیف کے باوجود بمشکل اٹھے اور اٹھ کر ملے۔ میٹھی میٹھی گفتگو، پیاری پیاری باتیں، ایمان کے نقب زنوں کے ذکر پر چہرے پر خفگی اور ناخوشی کا انداز...... بندہ ناچیز بزرگوں کے بارے میں ویسے بھی کافی دل پھینک واقع ہوا ہے...... فدا ہی ہو گیا۔

اس سے پہلے گکھڑ میں مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ کے ساتھ ان سے دادا جان رحمہ اللہ کے گھر میں ملاقات ہوئی، غالباً یہ پہلی ملاقات تھی، مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنت (مولانا قاضی مظہر حسین) رحمہ اللہ کے حوالہ سے تعارف کرایا کہ یہ ان کا نواسہ اور حضرت شیخ (امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ) کا پوتا ہے، بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں، شفقت فرمائی، نانا جان رحمہ اللہ کا عقیدت ومحبت کے جذبات سے ذکر فرمایا اور بتایا کہ وہ مفتی جمیل صاحب کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے چکوال گئے تھے مگر حضرت کی ناسازئ طبع کی بنا پر ملاقات میں کامیابی نہ ہوئی اور گھنٹوں انتظار کے بعد یونہی لوٹنا پڑا۔ مجھ سے کہا کہ اب پھر زیارت کے لیے جائیں گے تو تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے، مگر تقدیر الٰہی کا کرشمہ کہ اس کے بعد جلد ہی نانا جان کے انتقال کا جگرسوز سانحہ پیش آ گیا۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة۔ تو حضرت جلالپوری شہید نے نانا جان کی حیات طیبہ پر ''روئے گل ندیدم'' کے عنوان سے ایک طویل اور پر مغز مضمون تحریر فرمایا جو ماہنامہ ''حق چار یار'' کی اشاعت خاص کی زینت بنا۔

ایک مرتبہ کسی اشکال کو حل کرنے کے سلسلے میں کسی سے حضرت شہید کا فون نمبر لیا، فون ملایا جو خلاف توقع فوراً ہی مل گیا، اشکال عرض کیا، برجستہ جواب سے طبیعت باغ وبہار ہوئی، اس کے بعد مستقل حضرت شہید سے فون پر رابطہ رہنے لگا، کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا یا کوئی علمی اشکال ہوتا تو فون کر کے پوچھ لیتا، اس بہانے آپ سے چند منٹ گفتگو کی سعادت مل جاتی۔ اتنی بڑی ذمہ داریوں اور گوں ناگوں مصروفیات کے باوجود آپ کا فون آپ کے دل کی طرح ہر وقت ہر امیر وغریب کے لیے کھلا رہتا اور بہت کم ایسا ہوتا کہ آپ کو فون کیا ہو اور بات نہ ہو سکے۔

خصوصاً زندگی کے آخری ایام میں مسئلہ پوچھنے کے بہانے آپ سے کافی تعلق ہو گیا، ان دنوں آپ اکثر بندہ کے عم زاد بھائی عمار خان ناصر کی فکری آوارگی اور ذہنی پراگندگی پر سخت نالاں رہتے اور بہت کڑھن اور درد کا اظہار فرماتے، آپ نے عمار ناصر کے ''پیرومرشد'' جناب جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات کا تعاقب بھی شروع فرما دیا تھا، آپ کی حیات طیبہ کا آخری اور ادھورا مضمون اس سلسلے کی پہلی قسط تھا، جسے پڑھ کر بہت رونا آیا، اس مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ اس مضمون کا بقیہ حصہ آپ کے جانشین اور آپ کے قلم کے امین جناب مولانا اعجاز مصطفیٰ صاحب زید مجدہم نے تحریر فرما کر ''بینات'' میں شائع فرمایا مگر

ع کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اللہ جل شانہ آپ کو حضرت شہید رحمہ اللہ کے علم وقلم کا صحیح وارث اور جادۂ حق کے دلگرفتہ راہ نوردوں کے لیے صحیح قائدورہنما بنائے۔آمین

حضرت شہید رحمہ اللہ کا ایک اور مضمون جس سے میں بہت متأثر ہوا، ''بینات'' کے اداریئے کی صورت میں ایک سابق شیعہ نوجوان کے خط کا جواب تھا، اس میں اس نومسلم کے شیعہ رشتہ داروں نے امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب سے شیعوں کا عقیدۂ امامت ثابت کیا تھا، کتاب میں عبارت موجود تھی اور عقیدۂ امامت پر واضح دلالت کرتی تھی۔آپ نے آئیں بائیں شائیں اور محض دفع الوقتی سے کام لینے کی بجائے کتابوں کی کتابیں کھنگالیں اور اس راز کو آشکارا کیا کہ وہ کتاب درحقیقت امام غزالی رحمہ اللہ کتاب ہی نہیں ہے بلکہ دنیائے شیعت کے بازیگروں نے تصنیف کر کے امام غزالی رحمہ اللہ کی جانب منسوب کی ہے، اس انکشاف پر دلائل پیش فرمائے تو میں عش عش کر اٹھا اور سوچا کہ یہ شخص کتنا محقق ہے کہ جب تک بات کی تہہ تک نہیں پہنچا دیوانہ وار بحرِ علم میں غوطے لگا تا ہی رہا یہاں تک کہ مطلوبہ جوہر کو سمندر کی تہہ سے نکال کر ''بینات'' کے صفحات میں سجا دیا اور اہل علم سے داد وصول کی۔طالب علمی اسی بے چینی کا نام ہے اور طالب علم اسی کو کہتے ہیں کہ جسے جب تک اپنے اشکال کا جواب نہ ملے اسے چین نہ آئے اور اپنی دھن میں لگا ہی رہے۔

آپ کی حیات طیبہ کا آخری اور سب سے عظیم الشان کارنامہ ''فتنہ زید حامد'' کی نقاب کشائی ہے، اس شخص نے ، جو ملعون یوسف کذاب کا چیلہ اور نام نہاد خلیفہ تھا، جہاد کی حمایت کی آڑ میں مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی ٹھانی، قریب تھا کہ یہ شیطان اپنی چرب زبانی اور جھوٹے جذبۂ جہاد کے بل بوتے پر ہزاروں اہلِ ایمان کو دولت ایمان سے محروم کر دیتا کہ حضرت شہید رحمہ اللہ نے اپنی عقابی نگاہ سے اس جبہ پوش بلکہ زرہ پوش امریکی ایجنٹ کو تاڑ لیا اور آگے بڑھ کر برسرِ محفل اس کے ابلیسی چہرے سے پارسائی کا نقاب نوچ ڈالا جس پر اس کی حقیقت دنیا کے سامنے الم نشرح ہوگئی اور اس کی شیطانی تمنائیں خاک میں مل گئیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت رامی شناسم

آپ نے اس کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے دو مضامین تحریر فرمائے، جن میں اندازوں اور تخمینوں کی بجائے مضبوط شواہد اور دلائل پیش فرمائے کہ یہ زید حامد دراصل یوسف کذاب کا چیلہ زید زمان ہے جو بہت عرصہ روپوش رہ کر اب نئے نام سے بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے نیا دام بچھانا چاہتا ہے، حضرت شہید کی جاندار اور مدلل تحریروں کے سامنے یہ نہ ٹھہر سکا اور اب اپنے ہر پروگرام میں غیرت مند

مسلمان طلبہ کے سوالات کا نشانہ بنتا ہے اور اپنے غنڈوں سے ان پر تشدد کروانے کے علاوہ اس سے کچھ نہیں بن پڑتا۔ یہ شخص اب ایک چلے ہوئے کارتوس کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے مغربی و یہودی آقاؤں کے کسی کام کا نہیں اور جلد ہی ان شاء اللہ نشان عبرت بنے گا۔

جب زید حامد اور جاوید احمد غامدی جیسے ملحدین کے مغربی سرپرستوں نے یہ دیکھ لیا کہ اسلام کے اس جرنیل کی موجودگی میں اسلام کے کسی نظریاتی مورچے کی طرف پیش قدمی ممکن نہیں تو ان دلائل سے عاری لوگوں نے وہی کیا جو ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ چند سفاک اور درندہ صفت انسان نما بھیڑیوں نے اس پاکیزگی کے پیکر اور شرم وحیا اور تواضع وجود وسخا کے مجسمے کو اسی کے مشکبار خون میں نہلا دیا اور آپ زبانِ حال سے **فزتُ ورب الکعبہ** کا نعرہ لگا کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ

مجھے زنجیر پہنادو! مجھے سولی پہ لٹکادو!
مگر میں راہزن کو رہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

اللہ جل شانہ آپ کی شہادت کو قبول فرمائے حسنات کو مضاعف اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور آپ کی حیات طیبہ کو خستہ جانوں اور راہِ حق کے آبلہ پا مسافروں کے لیے مینارۂ نور بنائے

آمین آمین لاارضی بواحدۃ

حتیٰ اضم الیہ الف اٰمینا

احسن خدامی......مدرسہ حیات النبی، محلّہ حیات النبی، نزد فوارہ چوک، گجرات......۲۹ رمضان المبارک ۳۲ھ

......تصحیح......

۱...... مجلّہ ''صفدر'' شمارہ نمبر 7۔ صفحہ نمبر 46 پر......نمبر 4 کے تحت غلطی سے ''مسئلہ پوچھ کر بتانے والی'' لکھا گیا تھا، جبکہ صحیح عبارت ''مسئلہ پوچھنے والی'' ہے۔

۲...... اور صفحہ نمبر 47 پر غلطی سے [اشاعۃ السنہ ۔ج:۲] لکھا گیا ہے۔ جبکہ درست [اشاعۃ السنہ ،ج:۲۳] ہے۔......قارئین تصحیح فرمالیں۔

......وجہ تاخیر......

گذشتہ ماہ (ذوالقعدہ) کا شمارہ بروقت تیار ہو چکا تھا۔ جس صبح جن صاحب سے وصول کرنا تھا اتفاقاً اُسی رات وہ صاحب ''ڈینگی بخار'' کا شکار ہوگئے، جس کی بنا پر وہ شمارہ قارئین کی خدمت میں بروقت نہ پہنچ سکا۔ اس مریض کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔[ادارہ]

غفلت وکاہلی

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بالعموم اس وقت تبلیغی رفتار کیوں سُست ہے؟ اقوامِ عالم کو عذاب الٰہی سے آگاہ کرنے کے ولولے ان میں کیوں نہیں اُبھرتے؟ بشارت ربانی سُنانے کے لیے ان کی زبانیں کیوں خاموش ہیں؟ رضائے خداوندی کے حصول کے لیے جان کھپانے کے جذبے ان میں کیوں مفقود ہیں؟ فکر آخرت کی تڑپ ان میں کیوں عنقا ہے؟ ایثار وقربانی کی اعلیٰ مثالیں ان میں کیوں ناپید ہیں؟ مذہبی غیرت اور دینی جذبہ کا ان میں کیوں فقدان ہے؟ اخلاقی برتری اور روحانی زندگی سے وہ کیوں نفرت کرتے ہیں؟ دنیا کی فانی اور ناپائیدار زندگی کو وہ ابدی حیات پر عملاً کیوں ترجیح دے رہے ہیں؟ اکثر سحر نگار اہل قلم اور آتش بیان مقرر خالص توحید وسنت کی نشر واشاعت سے کیوں نامانوس ہیں......؟

ان سب اُمور کا مختصر مگر کافی وشافی جواب صرف یہ ہے کہ اس مادی اور پُرفتن دَور اور نام نہاد تہذیب وتمدن کے زمانہ میں اکثر انسانوں کو اپنے جسم خاکی کی فکر تو ہے مگر صد افسوس کہ رُوح کی فکر بہت کم ہے اور اس کی صحیح غذا سے اکثر لوگ بے فکر و بے پرواہ ہیں۔ عارضی اور فانی زندگی کا خیال اور اس کی بہتری اور برتری کے لیے تگ ودو تو ہر کس وناکس کو ہے لیکن پائیدار اور ابدی زندگی کا دھیان بہت کم حضرات کو ہے۔

مقام حیرت ہے کہ یہ نہایت صاف اور سیدھی سی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آتی اور نہ اس کے تغیر وتبدل کے لیے وہ ساعی اور کوشاں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے جو کچھ اور جتنا کچھ بھی وہ کرتے ہیں، اکثر محض اس دارِ غرور ہی کے لیے کرتے ہیں جو مومن کے لیے السجن اور قید خانہ ہے۔

اِس سراب رنگ وبُو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

[تبلیغ اسلام۔ص:۲۶۔۲۷]